شیطان سے ملاقات

حقیر بسمل

آواز پبلی کیشنز
اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
رابطہ نمبر:03335577993

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	:	شیطان سے ملاقات
مصنف	:	حقیر بسمل
پروف ریڈنگ	:	عمر خیام
ایڈیٹنگ	:	محمد عثمان
اہتمام	:	آواز پبلی کیشنز
اشاعت	:	اول
صفحات	:	190
تعداد	:	500
سن اشاعت	:	ستمبر 2023
قیمت	:	400روپے

آواز پبلی کیشنز

اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

رابطہ نمبر: 03335577993

کتاب میں دیا گیا مواد لکھاری کے ذاتی خیالات ہیں

اسے ہرگز سرکاری رائے یا پالیسی کے طور پر نہ لیا جائے

کتاب کا تعارف

حقیر بسمل نے اپنے انقلابی ادبی سفر میں ایک اور شاندار کتاب تحریر کی ہے۔ آپ کی یہ کتاب "شیطان سے ملاقات" کا مطالعہ کرتے ہوئے میں حیرت میں مبتلا ہوں کہ اس نوجوان نے کس عمدگی کے ساتھ انسانی زندگی کے انفرادی و اجتمائی معاملات پر روشنی ڈالی ہے۔

کتاب "شیطان سے ملاقات" میں حقیر بسمل نے شیطان اور اولیاء الشیطان کے باہمی مکالمے کی صورت میں انسانی زندگی کے حساس ترین اور پیچیدہ معاملات پر قلم اٹھایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید دور کے فتنوں، معاشی، سماجی، معاشرتی اوراخلاقی بیماریوں کو سہل زبان میں بیان کیا ہے۔ گویا وہ تمام سوالات جو ایک باضمیر انسان کے ذہن میں جلوہ گر ہوتے ہیں، آسان انداز میں تحریر کر دیے ہیں۔

حقیر بسمل کی یہ کتاب نسل نو پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ اس کے مطالعہ سے نوجوان اپنی زندگی میں بہتری لا کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ نیز اپنے اندر ایک انقلابی روح بیدار کر کے اس راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں جس کے لیے ہمارے آباواجداد نے لاکھوں قربانیاں دے کر ملک پاکستان حاصل کیا تھا۔

"ملک عمر خیام"

کوٹلی، آزاد کشمیر

17 اگست 2023

فہرست

ترتیب	عنوان	صفحہ نمبر
1	کتاب کا مقصد	8
2	ابلیس کی مجلس	14
3	ابتدائیہ	23
4	مقصدِ حیات سے غفلت	25
5	شرک	29
6	وطن پرستی	33
7	جمہوری نظام	38
8	سودی نظام	42
9	نظامِ تعلیم	48
10	فرقہ واریت	54
11	حبِ دنیا	58
12	ردِ جہاد	62
13	ثقافت	68

صفحہ نمبر	عنوان	ترتیب
73	عورت کی آزادی	14
79	بے حیائی	15
86	زناکاری	16
92	ہم جنس پرستی	17
96	زنائے محرم	18
101	تن آسانی	19
106	بدعات کی ترویج	20
112	دینی درسگاہوں کی تذلیل	21
118	تصوف	22
123	غلط شعار کی ترویج	23
128	معاشی تنگی	24
134	آزادی اظہار رائے	25
140	جھوٹ	26
145	نفاق	27
151	تکبر	28
154	ناانصافی	29
160	رشوت	30

ترتیب	عنوان	صفحہ نمبر
31	خیانت	167
32	بزدلی	172
33	حسد	177
34	عیب جوئی و عیب گوئی	180
35	سفارش	183
36	مجلس سے واپسی	190

کتاب کا مقصد

اللہ اس کائنات کا خالق ومالک ہے اور اس نے کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ اُس کی تخلیق کا محورِ اعظم انسان ہے اور انسان کی آرائش و آزمائش کے لیے اس نے باقی مخلوق کو وجود بخشا۔ ان مخلوقات میں سے ایک مخلوق ابلیس اور اسکے کارندے ہیں جو انسان کو راہ خدا سے بہکاتے ہیں۔ ابلیس کے حصے میں یہ لعنت اس وقت آئی جب اس نے اللہ کے حکم سے انکار کرتے ہوئے آدمؑ کو سجدہ نہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے سوال کیا جس پر قرآن شاہد ہے۔

"(خدا نے فرمایا) کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اس نے) کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (خدا نے) فرمایا یہاں سے نکل جا۔ تو مردود ہے۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی)۔ (اس نے) کہا کہ پروردگار مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے۔ فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے، وقت مقرر (یعنی قیامت) کے دن تک۔ (اس نے) کہا کہ پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں) کو آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ (خدا نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا رستہ ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں

(کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے)۔ ہاں بد راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔"(15:32-43)

عزیز! اس کے بارے میں تیرے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کوئی شے اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور وہ اگر چاہتا تو ابلیس کبھی ایسا نہ کرتا۔ مگر اللہ نے ایسا کیوں نہ چاہا؟ اس کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں مگر عام فہم اور بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو امتحان کے لیے پیدا کیا جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

"اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔"(67:2)

جب انسان کو آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو کیا عجب ہے کہ ان آزمائشوں میں سے ایک آزمائش "ابلیس" ہو۔ اس پر بھی تُو اگر سوال کرے کہ انسان کی آزمائش سے اللہ کو کیا مقصود ہے؟ تو پھر تجھ پر لازم ہے کہ اپنی حدوں میں پلٹ جا اور اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لے کیونکہ یہ کل کی بات ہے کہ تو شکم مادر میں نو ماہ رہا ہے لیکن تجھے اس بارے میں کچھ یاد نہیں۔ پھر جب تیری عقل اس قدر کمزور ہے تو وہ خالقِ دوجہاں کے تمام تر منصوبوں کو کیسے احاطہ کر سکتی ہے۔ تیری اس کمزوری پر قرآن بھی شاہد ہے۔ فرمایا: "تم نہیں دیے گئے علم میں سے مگر (بہت ہی) تھوڑا۔"(17:85) اور رسول اکرم ﷺ نے بھی ایسے خیالات کو ترک کر دینے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: "تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور تمھارے دل میں پہلے تو یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی، فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر

میں بات یہاں تک پہنچاتا ہے کہ خود تمھارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی شخص کو ایسا وسوسہ ڈالے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے اور ایسے خیال کو چھوڑ دے۔" (صحیح البخاری 3276)

سو تیرے لیے اتنا علم کافی ہے کہ اللہ نے تجھے آزمائش کے لیے پیدا کیا اور جہاں تک شیطان کا معاملہ ہے تو وہ ان آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے۔ اس آزمائش میں کامیابی کے لیے تجھ پر لازم ہے کہ شیطان کے وجود اور اسکی کاروائیوں کا پختہ یقین حاصل کرے۔ پھر جب تجھے یقین حاصل ہو جائے گا تو تیرے لیے شیطان کی چالوں کو سمجھنا اور ان سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " شیطان آدمی کے سر کے پیچھے رات میں سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ سو جا ابھی رات بہت باقی ہے پھر اگر کوئی بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرنے لگا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر نماز (فرض یا نفل) پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اس طرح صبح کے وقت آدمی چاق و چوبند خوش مزاج رہتا ہے۔ ورنہ سست اور بد باطن رہتا ہے۔" (صحیح البخاری-1142)

دوسرا یہ کہ شیطان انسانوں میں سے اپنے دوستوں کی رہنمائی کرتا ہے تاکہ وہ اہل حق کے خلاف چالیں چل سکیں۔ ایسے میں تیرے لیے اولیاء الشیطان پر بھی نگاہ رکھنا لازمی ہے تاکہ تو خود کو اور دوسرے لوگوں کو ان کے ضرر سے محفوظ رکھ سکے۔

دورِ نبوی ﷺ میں مشرکینِ مکہ نے جب اسلام کا شجر پروان چڑھتے دیکھا تو مکے کی پارلیمنٹ دار الندوہ میں ایک اجلاس کا انعقاد کیا جس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو روکنا تھا۔ ابلیس اہلِ نجد کے شیخ جلیل کی صورت میں اجلاس میں شامل

ہوا۔ اجلاس جب شروع ہوا تو پہلے ابو الاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شخص کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے شہر سے جلاوطن کر دیں، پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں جاتا اور کہاں رہتا ہے۔ بس ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور ہمارے درمیان پہلے جیسی یگانگت ہو جائے گی۔ مگر شیخ نجدی (ابلیس) نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! یہ مناسب رائے نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی بات کتنی عمدہ اور بول کتنے میٹھے ہیں اور جو کچھ لاتا ہے اس کے ذریعے کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو کچھ اطمینان نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے میں نازل ہو اور انہیں اپنا پیروبنا لینے کے بعد تم پر یورش کر دے، اور تمہیں تمہارے شہر کے اندر روند کر تم سے جیسا سلوک چاہے کرے۔ اس کے بجائے کوئی اور تجویز سوچو۔

ابوالبختری نے کہا: اسے لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو۔ پھر اسی انجام (موت) کا انتظار کرو جو اس سے پہلے دوسرے شاعروں مثلاً: زہیر اور نابغہ وغیرہ کا ہو چکا ہے۔ شیخ نجدی (ابلیس) نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! یہ بھی مناسب رائے نہیں۔ واللہ !اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو اس کی خبر بند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی۔ پھر کچھ بعید نہیں کہ وہ لوگ تم پر دھاوا بول کر اس شخص کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں۔ پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں-- لہذا یہ بھی مناسب رائے نہیں، کوئی اور تجویز سوچو۔

یہ دونوں تجاویز پارلیمنٹ رد کر چکی تو ایک تیسری مجرمانہ تجویز پیش کی گئی۔ جس سے تمام ممبران نے اتفاق کیا۔ اسے پیش کرنے والا مکے کا سب سے بڑا مجرم ابو جہل تھا۔ اس نے کہا:

اس شخص کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے، لوگوں نے کہا: ابوالحکم وہ کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحبِ نسب اور بان کا جوان منتخب کر لیں، پھر ہر ایک کو تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اس طرح یکبارگی تلوار مار کر قتل کر دیں، جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ یوں ہمیں اس شخص سے راحت مل جائے گی اور اس طرح قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس شخص کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو عبد مناف سارے قبیلوں سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم دیت ادا کر دیں گے۔ شیخ نجدی (ابلیس) نے کہا: بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ اگر کوئی تجویز اور رائے ہو سکتی ہے تو یہی ہے، دیگر ہیچ۔

اس کے بعد پارلیمان مکہ نے اس مجرمانہ قرارداد پر اتفاق کر لیا اور ممبران اس عزم مصمم کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس گئے کہ اس قرارداد کی تنفیذ علی الفور کرنی ہے۔ (الرحیق المختوم)

سو اس سے تجھے یقین ہو جانا چاہیے کہ شیطان اہل حق کو ضرر پہنچانے کے لیے ہر وقت سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ تُو ہر وقت اس کے نشانے پر ہے۔ اس کے لشکر تجھے تاک میں رکھے ہوئے ہیں اور کوئی موقعہ ہاتھ سے خالی نہیں جانے دیتے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ تو اس کے وار سے کبھی غافل نہ ہو اور ہر وقت زرہ زیب تن رکھ اور عمدہ زرہ اللہ کی پناہ ہے۔

اور جان لے کہ کتاب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ شیطان کا تجھے اس قدر یقین دلا دیا جائے کہ تو اس کو اپنے ساتھ چلتا پھرتا محسوس کرے۔ پھر جب تجھے یہ کیفیت حاصل ہو جائے گی تو تو اس سے بچتا رہے گا اور اللہ کے ہاں تیرے درجات بڑھتے چلے جائیں

گے یہاں تک کہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر بھلا بندے کو خدا کی رضا کے سوا چاہیے ہی کیا۔

ابلیس کی مجلس

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف ساختوں پر پیدا کیا اور ہر ایک کا امتحان اور حساب بھی اس کی ساخت کے مطابق ہو گا۔ اور اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ میرا شعور جب بیدار ہوا میرے پاس اتنا علم تھا کہ میں اپنے اندر کی دنیا کو کچھ کچھ جاننے لگا اور جلد ہی مجھے میری ساخت واضح ہو گئی۔ اللہ نے میرے دادا جان کو میرے لیے اس علم کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ انھوں نے مجھے شعوری عمر تک گھر سے باہر نہ نکلنے دیا؛ نہ کھیلنے کے لیے، نہ سکول کے لیے اور نہ ہی کسی اور کام کے لیے اور گھر میں ہی قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ جب انھیں میرے اوپر اعتماد حاصل ہو گیا کہ اب شیطان آسانی سے اسے پھانس نہ سکے گا، تب انھوں نے مجھے گھر سے نکلنے کی اجازت دی۔ والد سے مشورے کے بعد آپ نے مجھے جدید طرز کے ایک سکول میں داخل کروا دیا۔ سکول کا پہلا دن، گھر سے باہر میری زندگی کا پہلا دن تھا اور میں دورِ حاضر کے رنگ روپ سے بالکل ناآشنا تھا۔ میرے ذہن میں تو مدینہ کی پرنور ریاست تھی جسکی مجھے بچپن سے تعلیم دی گئی تھی اور یہاں تو تاریکیاں ہی تاریکیاں دیکھنے کو ملیں۔ سکول کا وہ پہلا دن مجھ پر بہت بھاری تھا اور گھر پہنچنے تک مجھے شدید بخار نے آن پکڑا۔ میں اگلا پورا ہفتہ تقریباً نیم بے ہوشی کی حالت میں گھر میں پڑا رہا۔ جب طبیعت کچھ سازگار ہوئی تو دادا جان نے مجھے پاس بٹھایا اور چند نصیحتیں کیں۔ آپ نے فرمایا: "بیٹے! میں تجھ پر گزرنے والی کیفیت سے بخوبی واقف ہوں بلکہ یہی میرا مقصود تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام چودہ سو سال پہلے جہالت کی

تاریکیوں کو شق کرتے ہوئے نمودار ہوا تو پہلی کے چاند کی طرح کمزور اور اجنبی تھا۔ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے بھی اس وقت اجنبی ٹھہرے اور تاریخ انسانی کی بدترین سزائیں ان کا مقدر بنیں۔ اس سب کے باوجود انھوں نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا اور استقامت کے پہاڑ بنے رہے۔ پھر اللہ نے ان اصحاب رسول اور ان کے بعد آنے والوں کے ذریعے اسلام کو غالب کیا اور وہ پندرھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا اور درجہ بدرجہ اس حالت پر پہنچ گیا جیسے آخری راتوں کا چاند ہوتا ہے؛ بالکل بے نور، تاریکی میں ڈوبا ہوا۔ اس کے ماننے والے بہت ہیں مگر پیروی کرنے والے ابتدائی دور کی طرح بہت قلیل ہیں۔ اور ایسے ہی اجنبی ہو گئے ہیں جیسے ابتدائی دور کے ماننے والے اجنبی ہو گئے تھے۔ اب پھر اسی جذبہ ایمانی، جدوجہد اور صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ بیٹے! میں نے اس امید سے قیام پاکستان کی تمام تحریکوں میں حصہ لیا کہ شاید اسلام کا دوسرا ظہور اس خطے کے حصے میں آئے۔ پاکستان بننے کے بعد تقریباً نصف صدی تک اس امید کو میں زندہ رکھ سکا۔ اس کے بعد وہ بھی جاتی رہی کیونکہ پاکستان مکمل ہائی جیک ہو چکا تھا۔ دشمن رفتہ رفتہ گرفت مضبوط کرتا گیا جیسے شکاری اپنے شکار کو پکڑنے کے بعد آہستہ آہستہ اس کی حالت درست کرتا ہے جہاں وہ اسے آسانی کے ساتھ کھا سکے۔ بس پاکستان کی اب وہی حالت ہے۔ مگر بیٹے یہ جان لے کہ جہاں جس قدر اندھیرا ہوتا ہے اسی قدر وہاں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسی ضرورت کے مطابق اس روشنی کی قیمت بھی لگتی ہے۔ دیکھ اصحاب رسول ﷺ کی کتنی گراں قیمت لگی کہ اللہ ان سے راضی ہوا، انھیں دنیا میں ہی جنت کی بشارتیں دیں اور دنیا کی طاقتوں کو بھی ان کے قوموں میں ڈھیر کر دیا۔ ایسے ہی اِس تاریک

دور میں جدوجہد کرنے والوں کی بڑی قیمت لگنے والی ہے جس کی بشارتیں رسول اکرم ﷺ کے مبارک اقوال سے ملتی ہیں۔ صحابہ کرام کے پاس تو اللہ کے رسول ﷺ تھے جو کہ ہادی بھی تھے اور حکمران بھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب عام لوگوں میں سے ہی کسی کو کھڑا ہونا پڑے گا جو کہ شریعت کی نزاکتوں سے بھی واقف ہو اور دورِ حاضر کی پیچیدگیوں کو بھی سمجھتا ہو۔ مگر اس سے پہلے انقلابی روح پھونکنے کے لیے اقبال جیسے مصنف و مبلغ کی ضرورت ہے۔ اور میری آرزو اور کاوش ہے کہ اس صدی کا اقبال تو ہو۔ میں نے اسی وجہ سے تجھے زمانے کی شر انگیز ہواؤں سے پردے میں رکھا جب تک کہ مجھے یقین نہیں ہو گیا کہ اچھائی اور برائی کا تصور تجھ میں اچھی طرح سرایت کر گیا ہے۔ پھر میں نے تجھے ایسی درس گاہ میں بھیجا جہاں اچھائی برائی کا کوئی تصور نہیں تاکہ اس باطل نظام کی کراہت تیرے دل میں بیٹھ جائے اور اس کے علاوہ جدید علم بھی حاصل کر سکے۔ اقبال نے جب شریعت کے ترازو میں اس تہذیب کو رکھا تو کہنے پر مجبور ہو گیا کہ

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

اور اگر تو غور کرے تو اقبال نے بڑے تدبر سے کام لیا۔ اگر وہ ایک مذہبی رہنما کے طور پر سامنے آتے اور ان افکار کا اظہار کرتے جنکا انھوں نے اپنی شاعری میں کیا ہے؛ تو آج شاعر مشرق کی بجائے ایک شدت پسند اور باغی کے طور پر جانے جاتے۔ مگر انھوں نے جدیدیت کے لبادہ میں باطل نظام کو ایسا زخم دیا جو شاید قیامت تک نہ بھر سکے۔ آج کے دور کی بھی یہی ضرورت ہے کہ کوئی مقام و مرتبہ رکھنے والا شخص اس باطل تہذیب کی نفی کر دے اور

لوگوں کو انقلاب کے لیے آمادہ کرے۔ اور میری امیدیں تجھ سے وابستہ ہیں۔ انشاءاللہ۔"

داداجان کی باتوں نے میرے اندر کا بوجھ ہلکا کر دیا اور میری سوچوں کو مزید وسعت دی۔ میں سکول میں اب ایک طالبعلم کے ساتھ ساتھ جاسوس بھی بن گیا تھا۔ دورِ حاضر کی ہر ہر چال کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا لیکن کسی پر یہ بات ظاہر بھی نہ ہونے دی۔ میں نے حلیہ بھی ایسا اپنا لیا تھا کہ اکثر لوگ مجھے آزاد خیال تصور کرتے تھے۔ اسی طور سے، میں اپنی تعلیمی منازل طے کرتا گیا اور گریجویشن کے بعد سکالرشپ پر انگلستان چلا گیا۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد مجھے وہیں ایک مشہور کمپنی میں نوکری مل گئی اور میں بڑی لگن سے وہاں کام کرنے لگا۔ تھوڑی مدت کے بعد مجھے احساس ہو گیا کہ سوائے مالکان کے، باقی سارا عملہ مسلمان تھا۔ لیکن انکا اسلام عقیدے کی حد تک محدود تھا کیونکہ عملاً ان میں کوئی مسلمانوں والی بات نظر نہ آتی تھی۔ نماز روزے کا ان میں کوئی رواج نہ تھا، شراب پانی کی طرح معمول میں پیتے، ناجائز جنسی تعلق قائم کرتے اور اسکا اعلانیہ اظہار بھی کرتے اور اس کے علاوہ کئی اور برائیاں ان میں عام تھیں۔ میں بھی معاشرے کا اثر قبول کر چکا تھا اور مقصدِ حیات کو پس پشت ڈال کر پیسے کے حصول کے لئے رتجگے کاٹ رہا تھا۔ اس بات کا احساس مجھے اس کمپنی میں آکر ہوا جب میں ایک برے ماحول سے بہت برے ماحول میں آیا۔ یہ احساس اسی جنس سے تھا جو مجھے پہلے دن سکول جا کر ہوا تھا مگر اس بار اس کی شدت کم تھی۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ ان میں سے کسی بھی برائی میں انکے ساتھ شریک نہ ہوں گا۔ میرا رویہ رفتہ رفتہ لوگوں کے لیے ناقابل قبول ہونے لگا۔ یہ بات منیجر تک جب شکایت کی شکل میں پہنچی تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ چند ہی دنوں میں اسکا نشہ اتر جائے گا۔ اللہ نے مجھے

استقامت دی اور میں صراط مستقیم پر برابر چلتا رہا یہاں تک کہ سال گزر گیا۔ میں چونکہ غیر ضروری سرگرمیوں سے اجتناب کرتا تھا اس لیے میرے پاس وقت زیادہ ہوتا تھا اور میں اپنے کام کو ہمیشہ احسن طریقہ سے سرانجام دیتا تھا۔ منیجر کو چونکہ کام سے غرض تھی اس لیے زیادہ اہمیت والے کام اکثر مجھے ہی سونپنے لگا تھا۔ اس نے کمپنی کے مالک کو بھی میرا ایسا ہی تعارف کرایا تھا۔ انھی دنوں ملکی سطح پر کوئی سالانہ کانفرنس ہونا تھی جس کے بارے میں میں نے منیجر اور مالک کو آپس میں گفتگو کرتے سنا تھا۔ اس میں میرے لیے تجسس کی بات یہ تھی کہ منیجر، جو میرے ساتھ ہر بات شئیر کرتا تھا؛ نے دو دن گزر جانے کے بعد بھی مجھ سے اس بارے میں کوئی بات چیت نہ کی۔ تیسرے دن اس نے مجھے صبح ہی بلا لیا جو کہ میرے لیے حیرانی کی بات تھی۔ جب میں اس کے دفتر میں گیا تو اس نے مجھے موبائل باہر ہی رکھ کر آنے کو کہا، جس نے میری حیرانی کو مزید بڑھا دیا کیونکہ ایسا پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا مگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ آخری اس نے خاموشی توڑی اور کہنے لگا کہ اے نوجوان میں تیری استقامت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میں دس سال سے اس کمپنی میں کام کر رہا ہوں اور ہمارے ملازمین سارے مسلمان ہوتے ہیں اور شروع میں تقریباً سب ہی اعلانیہ برے کاموں سے جھجکتے ہیں مگر بہت جلد وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مگر ایک سال گزر جانے کے بعد بھی میں نے تم میں ذرا فرق نہ دیکھا۔ تمھاری اس استقامت نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر وہ کیا چیز ہے جو انسان کے ارادے کو اس قدر مضبوط کر دیتی ہے۔ پچھلا پورا ہفتہ میں اس بارے میں تحقیق کرتا رہا؛ بہت سے لوگوں کو پڑھا اور سنا اور آخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ایمان کی قوت سے ہے۔ اور میں نے یہ بھی

محسوس کیا ہے کہ دورِ حاضر کے تمام تر مسائل کا حل دامنِ اسلام میں ہی پنہاں ہے۔ اور اس کا ثمر تب ہی چکھا جا سکتا ہے جب اسے کسی ملک یا علاقے پر مکمل طور پر نافذ کر دیا گیا ہو۔ غالباً اسی لیے خدا نے نفاذِ شریعت کے لیے جہاد فرض کر دیا ہے۔ میں خود عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا لیکن اپنے بڑوں کی طرح عیسائیت میں سے فقط عقیدہ کے سوا کچھ نہ لیا مگر اب میں ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ دین کو عملی زندگی میں لاؤں۔ اسلام کی حقانیت کا بھی مجھے یقین ہو گیا ہے اور اس کے نشانات میں نے عیسائیت سے ہی پائے ہیں۔ اب میں وہ عیسائی ہوں جو عیسیٰؑ کو مانتا بھی ہے اور ان کی پیروی بھی کرتا ہے۔ اور اسے دوسرے الفاظ میں مسلمان کہتے ہیں۔ تمھارے ایمان کی حرارت نے مجھے ایسا گرمایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے ابھی ابراہیمؑ کی طرح آگ میں کود جانے کا حکم دے اور میں بلا چوں و چراں لبیک کہہ دوں۔ ایک موقع تو خدا نے مجھے دے دیا ہے جسے میں گنوانا نہیں چاہتا اور اسی کے لیے تمھیں بلایا ہے۔ برطانیہ میں ہر سال ایک خفیہ کانفرنس منعقد ہوتی ہے جس میں تمام مغربی ممالک کے حکمران اور مختلف طاغوتی تنظیموں کے سربراہ شریک ہوتے ہیں اور ابلیس ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کانفرس کے انتظامی امور کے لیے مختلف تنظیموں سے لوگ بھیجے جاتے ہیں اور تقریب کے اختتام پر انھیں شیطان کی خوشنودی کے لیے قربانی کے طور پر ذبح کر دیا جاتا ہے اور ابلیس اپنے ہاتھ سے ان کا خون کانفرنس کے شرکاء کو پلاتا ہے۔ تمھیں اس بات پر ضرور تعجب ہو گا کہ لوگ اپنی قربانی کے لیے کیسے رضامند ہو جاتے ہیں؟ اس کے لیے کیا یہ جاتا ہے کہ جو لوگ منتخب کیے جاتے ہیں انھیں تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ یہ معمول کی کانفرنسوں میں سے ایک ہے۔ لوگ اسکے لیے منتخب ہونا اپنے لیے اعزاز تصور کرتے ہیں۔ پھر ان کے لیے

چند دن تربیتی پروگرام چلایا جاتا ہے اور اسی میں ہائیجین کے نام پر ایک خاص انجیکشن لگایا جاتا ہے جو ان کے دماغ پر ایسا اثر کرتا ہے کہ جب انھیں شیطان کے سامنے ذبح کیا جارہا ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں، جس سے شیطان مزید خوش ہوتا ہے۔

اس بات کو تم پر ظاہر کرنا میرے لیے آگ میں ڈالے جانے سے کم نہیں کیونکہ ماضی میں جب بھی کوئی اس جرم کا مرتکب ہوا، اسے بہت اذیتیں دے کر قتل کیا گیا۔ موبائل کو باہر رکھنا اور دیگر حفاظتی اقدامات، میں نے اس خاطر کیے ہیں تاکہ مجھے اتنی مہلت مل جائے کہ پکڑے جانے سے پہلے اس باطل نظام کو بے نقاب کر جاؤں۔ اس کام کے لیے مجھے تمھاری بھی ضرورت ہو گی۔ وہ ایسے کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہماری کمپنی کو اس قربانی کے لیے دو بندوں کو پیش کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک تو بندہ معمول کی طرح تمام ملازمین میں سے منتخب کر کے بھیجوں اور دوسرا محفوظ واپسی کی شرط کے ساتھ تمھیں ایک جاسوس کی حیثیت سے بھیجوں۔ کیا تم اس کے لیے راضی ہو؟

گو کہ داد جان کی وفات کے بعد میں کافی بے عمل ہو گیا تھا مگر دل میں موجود ایمان کی حرارت نے مجھے ابھارا اور میں نے بلا تاخیر ہاں کہہ دیا۔ میرے ساتھ ایک اور شخص کو بھی منتخب کیا گیا جس پر وہ بہت خوش تھا۔ ہم دونوں کو سپیشل ٹریننگ سکول بھیج دیا گیا جہاں خاص تربیت دی جاتی تھی۔ میرے ذہن میں منیجر کی تمام باتیں نقش تھیں اسی لیے بڑے تجسس اور دھیان سے ان کی ہر بات کو میں پرکھ رہا تھا۔ دو قسم کی تربیت کی جارہی تھی۔ ایک کانفرنس میں ہر کسی کے کام کے لحاظ سے اور دوسرا اس کام کو مقدس سمجھنے کے بارے میں ذہن

سازی۔ یہ تربیت دو ہفتوں کی تھی اور ایک ہفتہ گزرنے کے بعد منیجر کے عین قول کے مطابق انھوں نے تمام منتظمین کو انجیکشن لگانا تھا۔ میں منیجر سے رابطے میں تھا اور وہ میری مسلسل رہنمائی اور مدد کر رہا تھا۔ انجیکشن سے مجھے بچانے کے لیے منیجر نے اس شخص کو خریدا جس نے انجیکشن لگانا تھا۔ اس شخص نے مجھے سب سے آخر میں بلایا اور انجیکشن لگانے کی بجائے خفیہ انداز میں اسے ضائع کر دیا۔ اس کے بعد وہ ہماری تربیت بھی کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً یہ بھی جانچنے کی کوشش کرتے تھے کہ آیا ذہنی تربیت اور انجیکشن نے ہمیں قربانی کے لیے تیار کیا ہے یا نہیں۔ میں حیران تھا کہ اس تربیت نے لوگوں کی ایسی ذہن سازی کی کہ وہ اپنے آقا (ابلیس) پر قربان ہونے کے لیے بے تاب ہونے لگے۔ میں بھی مکر سے کام لیتا رہا تاکہ پکڑا نہ جاؤں۔

تربیت مکمل ہونے کے بعد ہمیں ایک نامعلوم جزیرے میں لے گئے اور وہاں اس کانفرس کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ایک ہفتہ مسلسل تیاریوں کے بعد کانفرنس کا دن آیا۔ شام کے وقت تمام مہمانوں کا استقبال کیا گیا جن میں تقریباً تمام مغربی ممالک کے سربراہان اور مختلف تنظیموں کے اعلیٰ عہدہ دار شامل تھے۔ استقبال کے لیے مختلف برقی قمقمے روشن کیے گئے تھے، مختلف استقبالیہ تحریریں آویزاں کی گئیں تھیں، سرخ کالین بچھائے گئے تھے اور ان کے دونوں اطراف میں نوخیز نیم برہنہ لڑکیاں کھڑی کی گئیں تھیں جن کے ہاتھوں میں شراب کے پیالے تھے۔ تمام مہمان کسی لڑکی کو چھوتے اور کسی کو بوسہ دیتے گزر جاتے اور وہ اس کو اپنے لیے اعزاز تصور کرتی۔

سورج ڈھلنے سے پہلے تمام مہمان کانفرنس ہال میں تشریف فرما ہوئے اور سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی شیطان نمودار ہوا۔ وہ انسانی شکل میں ہی تھا مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے غصہ سے اس کی آنکھوں میں آگ بھر آئی ہو۔ تمام لوگ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ وہ اپنی عظیم الشان کرسی پر تشریف فرما ہوا۔ تمام شرکاء سجدے میں گر گئے اور شیطان کا غصہ جاتا رہا۔ آخر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور لوگوں کو سر اٹھانے کو کہا۔ تمام لوگ عاجزی سے سر اٹھاتے ہوئے اپنی اپنی جگہوں پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر شیطان نے اپنا خطاب شروع کیا۔

ابتدائیہ

شیطان: اے میرے عزیز ساتھیو! جو مجھ پر ایمان لائے ہو، میں ہی تمھارا واحد خیر خواہ اور کارساز ہوں۔ اپنے دلوں میں شکوک و شبہات پال کر اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ خدا نے لوگوں کو جنت کے دھوکہ میں اپنا غلام بنا رکھا ہے جبکہ میں نے تمھیں آزادی اور بادشاہی کی راہ دکھائی ہے۔ رزق کا وعدہ کرنے والا خدا کہاں ہے جو اپنے فرمانبردار بندوں سے بھی بیگانہ ہے اور میرے فرمانبرداروں کا رزق روکنے میں جس کے ہاتھ ناکام ہو گئے ہیں۔

میں تمھاری کارکردگی پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ میرے رستے میں کون کتنی جدوجہد کر رہا ہے۔ اور اسی کے مطابق میں تمھاری مدد اور رہنمائی بھی کرتا ہوں۔ اس کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ تمام دوستوں سے براہِ راست گفتگو ہو ورنہ میں تو تمھاری رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہوں اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھ رہا ہوتا ہوں مگر تم مجھے نہیں دیکھتے۔ میرے قبیلے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور کوئی انسان ایسا نہیں جس کے ساتھ وہ موجود نہ ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے کئی اپنے اپنے مشنز کی تکمیل میں کئی مسائل سے دوچار ہوں گے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمھیں اپنے علم اور تجربے سے مستفید کروں۔ میں نے آدم سے لے کر آج تک انگنت لوگ دیکھے اور ہر ایک کی فطرت کے مطابق میں نے ان کے

خلاف چالیں چلیں۔ تمھارا کوئی گھمبیر مسئلہ بھی میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ سو تم مجھ سے جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔

عزیز! شرکاء نے شیطان سے بلاترتیب سوالات پوچھے جنھیں میں نے تیری خاطر مضامین کی صورت میں ترتیب دے دیا ہے تاکہ تیرا دل پریشان نہ ہو۔

مقصدِ حیات سے غفلت

سوالی: میرے آقا! انسان کو خدا نے اس دنیا میں ایک مقصد کے لیے بھیجا ہے اور اس کی کامیابی اسی مقصد کے حصول میں ہے۔ ایسے میں روزِ قیامت انسان کی ناکامی اور ندامت کے لیے اسے مقصدِ حیات سے کیسے غافل کیا جائے؟

شیطان: دوست! جہاں خدا نے انسان کی رہنمائی کے لیے اسے علم و عقل سے نوازا وہیں بطور آزمائش نفس و شیطان کو اس کے مخالف کھڑا کر دیا۔ ایسے میں انسان کو مقصدِ حیات سے غافل کرنے کے لیے علم و عقل کو کمزور کرو اور نفس و شیطان کو قوت فراہم کرو۔

سوالی: میرے آقا! یہ سب کیسے ہو گا؟

شیطان: دوست! علم و عقل کو کمزور کرنے کے لیے انکی خوراک روک دو اور نفس کی طاقت کے لیے اسکی خوراک بڑھا دو۔ علم و عقل کی خوراک اللہ کے حکموں کی معرفت ہے جسے شریعت کہتے ہیں جبکہ نفس کی خوراک دنیا کی لذتیں اور آسائشیں ہیں۔ انسان کے لیے ایسے دلآویز شغل مہیا کرو مثلاً فلمیں، گانے، ڈرامے، سوشل میڈیا اور کھیل کود وغیرہ جو اسے اپنی زلفوں کا اسیر بنائے رکھیں اور ساتھ ساتھ علمِ شریعت کا حصول اور اس پر عمل دشوار بناتے جاؤ۔ یوں علم و عمل رخصت ہونے لگیں گے۔ علم جب رخصت ہو گا تو عقل کمزور پڑھنے لگے گی اور عمل جب رخصت ہو گا تو نفس مضبوط ہونے لگے گا۔ اور لاعلمی اور بے عملی انسان

کے خلاف میرے ہتھیار ہیں جنھیں میں استعمال میں لا کر انسان کو جہنم کی طرف ہانکتا ہوں اور یہی اسکی غفلت کا سامان ہیں۔

سوالی: میرے آقا! دنیا کی لذتیں انسان کو سرکش کیوں بناتی ہیں حلانکہ اس سے تو شکر گزاری کی کیفیت پیدا ہونی چاہیے تھی؟

شیطان: دوست! دنیا کی لذتوں کا تعاقب انسان کو خدا سے حجاب میں کر دیتا ہے۔ وہ ان نعمتوں کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اپنی محنت کا ثمرہ تصور کرنے لگتا ہے۔ یہی سوچ اسے سرکشی کی طرف لے جاتی ہے۔

سوالی: میرے آقا! خدا نے انسان کے لیے توبہ کا جو در کھلا رکھ دیا ہے یہ ہمارے لیے ناقابل عبور رکاوٹ ہے۔ انسان جب چاہتا ہے اس دروازے سے خدا کی طرف لوٹ جاتا ہے چاہے ہم نے اس پر کتنی ہی محنت کیوں نہ کی ہو۔ اس دروازے کو بند کرنے کی کوئی تدبیر ہے؟

شیطان: دوست! توبہ کا دروازہ خدا نے انسان کے لیے کھول رکھا ہے۔ پھر جو امر خدا کی طرف سے ہو بھلا اس پر کس کا زور چلتا ہے۔ مگر ایک راستہ یہ ہے کہ انسان کو اس قدر مصروف کر دو کہ اسے توبہ کی فرصت ہی نہ ملے یا اس کے نفس کو اتنا قوی کر دو کہ توبہ کی باگیں زیادہ دیر اسے سنبھال نہ سکیں اور وہ پھر حرام چراگاہوں کی طرف دوڑ جائے۔ یوں عین ممکن ہے کہ اسے معصیت کے لمحوں میں ہی موت آئے اور توبہ کا موقع نہ ملے۔

سوالی: میرے آقا! اس ترقی یافتہ دور میں علم کا حصول بہت آسان ہو گیا ہے۔ پہلے پہل

لوگوں کو حصول علم کے لیے میلوں سفر طے کرنا پڑھتا تھا، اب گھر بیٹھے تمام تر علوم حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ایسے میں کون سی چال چلی جائے کہ مسلمان علم کو ترک کردیں تاکہ وہ مقصدِ حیات سے غافل رہیں؟

شیطان: دوست! جہاں حصولِ علم کے ذرائع بڑھ گئے ہیں وہاں غفلت کا سامان بھی تمھارے پاس میسر ہے۔ نفس تو علم سے بھاگتا ہے اور لذتیں تلاش کرتا ہے۔ تم ٹیکنالوجی کو استعمال میں لاتے ہوئے جدید اور پرکشش مواد تیار کرو جیسے فلمیں، ناچ گانا، ڈرامے، سپورٹس اور ایسی دیگر سرگرمیاں۔اور لوگوں کو صبح وشام انھی کے چکر میں مگن رکھو۔ان لذتوں کو چھوڑ کر بھلا کون حصولِ علم کی مشققتیں اٹھانے پر آمادہ ہوگا۔یوں علم کی آسان فراہمی کے باوجود لوگ اس سے محروم رہیں گے اور مقصدِ حیات کو نہ پاسکیں گے۔

سوالی: میرے آقا! اگر مقصدِ حیات کی معرفت سے انسان کی زندگی میں انقلاب آتا ہے تو پھر آج حفاظ اور قاری جو قرآن کو بار بار پڑھتے ہیں؛ ان پر انقلابی رنگ کیوں نہیں چڑھتا؟

شیطان: دوست! مسلمانوں کی اکثریت بشمول حفاظ اور قراء قرآن کے معانی ومطالب سے ہی نا آشنا ہے۔جو معنی ومطالب جانتے ہیں ان میں سے اکثریت ان پر غور وفکر نہیں کرتی۔ایسے قرآن پڑھنے والوں پر تجھے انقلابی رنگ کیسے نظر آئے۔ قرآن تو اپنا آپ ان مومن بندوں پر کھولتا ہے جو اس کی مطالب کو پانے کے لیے بہت جد وجہد کرتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! پھر تو ہمیں اس رواج کو مزید فروغ دینا چاہیے تاکہ لوگ بے سمجھے قرآن پڑھتے رہیں اور اصل مقصد کو نہ پہنچ سکیں۔

شیطان: دوست! ابتدائے اسلام سے اس معاملے میں میری کاوش جاری ہے اور یہ اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں بے سمجھے قرآن پڑھنے کا بہت رواج ہے۔ اور اس کاوش کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔

سوالی: میرے آقا! جس ملک کا نظام غیر اسلامی ہو، کیا اس ملک کے عوام انفرادی کوشش سے مقصدِ حیات پر قائم رہ سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! ایسے ملک میں مقصدِ حیات پر وہی قائم ہے جو اس باطل نظام کے خلاف جہاد کر رہا ہو۔ اس کے علاوہ جو ایسے نظام کو تسلیم کر کے چلے وہ چاہے ہر دن روزہ رکھے اور رات بھر عبادت میں کھڑا ہو؛ مقصدِ حیات پر قائم نہیں رہ سکتا۔

سوالی: میرے آقا! ایسے میں ہمیں دو باتوں پر کام کرنا ہو گا؛ ایک تو تمام ممالک میں باطل نظام کا استحکام اور دوسرا اس نظام سے متعلق عوام میں اعتماد اور اطمینان پیدا کرنا۔

شیطان: دوست! تو نے بجا فرمایا اور اس پر میں اور میرے خاص بندے پہلے ہی سے کام کر رہے ہیں اور دنیا میں ہمارے نظام کا موجودہ غلبہ اسی محنت کا ثمرہ ہے۔

شرک

سوالی: میرے آقا! آپ کا بنیادی مقصد انسان کو جہنم کی راہ پر لگانا ہے جو کہ یقیناً بڑا کٹھن کام ہے کیونکہ خدا نے ہر گناہ کی معافی کا اعلان کر دیا ہے سوائے شرک کے۔ ایسے میں کیوں نہ تمام تر کوششیں اسی گناہ پر مرکوز کی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل ہو؟

شیطان: دوست! تو نے ٹھیک فرمایا کہ شرک کے سوا تمام گناہ قابلِ معافی ہیں مگر تو یہ بات بھول رہا ہے کہ توبہ اس کے لیے لازمی شرط ہے۔ اس میں میری چال یہ ہوتی ہے کہ پہلے انسان کے اندر خواہشوں کی آگ کو بھڑکاتا ہوں۔ پھر اسے امیدِ مغفرت کی ہوا سے مزید تیز کرتا ہوں۔ ایسے میں انسان اور گناہ کے درمیان تمام روحانی رکاوٹیں ڈھیر ہو جاتی ہیں اور وہ موقع دیکھ کر گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جب وہ گناہ کر لیتا ہے تو پھر میرا اگلا کام اسے توبہ سے روکنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے میں شکار کے حساب سے جال پھینکتا ہوں۔ مثلاً کہیں میں اس گناہ کو چھوٹا کر کے پیش کر دیتا ہوں، کہیں اس کی حرمت کو شکوک و شبہات سے بدل دیتا ہوں اور کئی تو ایسے ہیں جن کے ہاں نیکی بدی کا تصور ہی نہیں، ان پر میں اپنی محنت ضائع نہیں کرتا کیونکہ مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ یوں اکثر کو میں توبہ سے محروم رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کا دل گناہوں سے بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ میرا ساتھی بن جاتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں میری مدد کرنے لگتا ہے۔ اور یوں میرا

قافلہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے برعکس میں اگر صرف شرک پر ساری کوششیں مرکوز کر دوں تو اس کا حاصل بہت تھوڑا ہو گا۔ کیونکہ انسان کو اگر یکدم گناہ عظیم یعنی شرک کی دعوت دی جائے تو وہ فوراً انکار کر دے گا اور چوکنا ہو جائے گا۔ اسی لیے میں اسے سلسلہ بہ سلسلہ گناہوں کی طرف لے کر جاتا ہوں۔ تو کیوں چاہتا ہے کہ میں اپنے تمام تر ہتھیار پھینک کر صرف ایک ہی سے انسان کا شکار کروں۔ کیا یہ پرلے درجے کی بیوقوفی نہ ہو گی؟ تو نہیں دیکھتا کہ کہیں ہدف چھوٹا ہوتا ہے، کہیں بڑا ہوتا ہے، کہیں دور ہوتا ہے اور کہیں نزدیک ہوتا ہے۔ ایسے میں مختلف اہداف کے لیے مختلف ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی بھی ہتھیار ایسا نہیں جو تمام تر اہداف کے لئے یکسر کارآمد ہو۔ پس انسان کو شکار کرنے لئے تمام تر میسر ہتھیار استعمال میں لانا ہی دانشمندی ہے۔

سوالی: میرے آقا! آپ خدا کے مقرب فرشتوں میں بھی ایک زمانہ رہے۔ یقیناً آپ کے پاس وہ راز ہوں گے جنھیں انسانوں میں سے کوئی نہ جانتا ہو۔ خدا کے بارے میں یہ بات عام ہے کہ اس کو انسان کی نافرمانی یا فرمانبرداری سے رائی کے دانے کے برابر بھی فرق نہیں پرتا مگر دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ شرک معاف نہیں کرتا۔ شرک کے بارے میں یہ رویہ کسی خطرے کے باعث ہے یا کسی اور وجہ سے؟

شیطان: اے میرے ساتھیو! مجھ سے کوئی ایسا سوال نہ کرے جس سے ہماری تحریک پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہوں۔ اب تو نے یہ بات پوچھ ہی لی ہے تو سن۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار وہ واحد چشمہ ہے جس سے خیر برآمد ہوتی ہے۔ اب جو اس بات پر ایمان لے آیا مگر غفلت کی وجہ سے اس چشمہ پر کم کم آتا ہے۔ وہ محروم تو ہے مگر کلی طور پر محروم نہیں کیونکہ کچھ کچھ خیر

اسے ضرور پہنچ رہی ہے۔ ایسے شخص سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ غفلت کو چھوڑ کر ہدایت کی طرف آ جائے۔ یہ مثال ہے اس گنہگار کی جو شرک سے پاک و منزہ ہے۔ ایسے شخص کو عذابِ جہنم کی دھمکی کی ضرورت ضرور ہے تاکہ غفلت کی برف پگھل سکے مگر اس کے ساتھ مغفرت کی نوید بھی لازم ہے تاکہ مایوسی اسے ہلاک نہ کر ڈالے۔ اور شرک کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے پاک چشمہ کے علاوہ اور کئی چشمیں ڈھونڈ لیے ہیں۔ وہ سب سے فیض یابی کی امید لگائے رکھتا ہے۔ ایسی عظیم گمراہی کو توڑنے کے لیے عظیم دھمکی کی ضرورت ہے جس میں مغفرت کا سہارا موجود نہ ہو۔

اسے دیکھنے کا دوسرا زاویہ یہ ہے کہ جیسے ظاہری دنیا کی حدود و قیود ہوتی ہیں اسی طرح روحانی دنیا کی بھی سرحدیں ہیں۔ ان سرحدوں میں سے ایک اہم سرحد وحدانیت کی سرحد ہے۔ اب جو شخص خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آیا مگر اس کے ساتھ ساتھ خواہشوں کا بھی اسیر ہے تو وہ نورِ ہدایت سے دور سہی مگر سرحد کی حدود کے اندر اندر ہے۔ اس پر رحمت و ہدایت کی شعائیں کم سہی مگر پڑتی ضرور ہیں جو اسے کسی بڑی کھائی میں گرنے سے بچائے رکھتی ہیں۔ اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ دو چار ٹھوکریں کھانے کے بعد ظلمتِ معصیت سے نکل کر ہدایت کے سائے میں سفر شروع کر دے۔ مگر جو وحدانیت کی سرحد ہی پھلانگ گیا ہو اس کے لئے کوئی دوا بھی کارآمد نہیں۔ بہشت و نار، عذاب و ثواب، سب بے سود و بیکار۔ ایسا شخص اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔

انسان کی بھلائی کے لئے اللہ نے اسے توحید کی سرحد کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے اور وہاں سے نکلنے پر ناقابل معافی عذاب سے ڈرایا ہے۔

سوالی: میرے آقا! اگر لوگوں کو شرک کی طرف لانا مشکل کام ہے تو پھر اس جال کو ہم کیسے کام میں لائیں؟

شیطان: دوست! تم لوگوں کو زبان سے وحدانیت کا اقرار کرنے دو۔ بے شک وہ سارا سارا دن خدا کی وحدانیت کا ورد کرتے رہیں مگر انھیں عملی طور پر مشرک بنا دو۔

سوالی: میرے آقا! یہ کیسے ممکن ہو گا؟

شیطان: دوست! ان کے یقین پر ضرب لگاؤ۔ یقین جب کمزور پڑ جائے گا تو پھر تم انھیں وسائل کے لالچ میں جدھر چاہو، جانوروں کی طرح ہانک کر لے جاؤ۔

سوالی: میرے آقا! آپ لوگوں کو خدا کی نافرمانی پر کیسے ابھارتے ہیں؟

شیطان: دوست! میں لوگوں پر شہوات کے لشکر سے حملہ آور ہوتا ہوں۔ ان کی عقلیں شہوات کے غلبے سے مفلوج ہو جاتی ہیں۔ پھر میں ان سے جو چاہتا ہوں کرواتا ہوں۔

وطن پرستی

سوالی: میرے آقا! انسان جہاں سکونت اختیار کرتا ہے اس جگہ سے اسے فطری طور پر اُنس ہو جاتا ہے۔ اس میں مذہب و معاشرے کی کوئی تقسیم نہیں کہ فلاں لوگوں میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے اور فلاں میں نہیں پایا جاتا۔ برطانیہ میں رہنے والے لوگ برطانیہ سے محبت کرتے ہیں چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہوں، ہندوستانی بلا تفریق ہندوستان سے محبت رکھتے ہیں اور اسی طرح دنیا کے دیگر ممالک اور ان کے باشندے۔ مگر اس کے مخالف بھی ایک نظریہ پایا جاتا ہے خاص طور پر پاکستان میں اور وہ یہ ہے کہ وطن دورِ حاضر کے بتوں میں سے ایک بت ہے اور اسے توڑ دینے میں ہی منفعت ہے۔ اس پیچیدہ سوچ کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! عموماً مسلمانوں میں بھی وطنیت کا جذبہ پایا جاتا ہے بلکہ وہ اسے ایمان کا جزو گردانتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جب انکے نبی ﷺ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی تو انھوں نے فرمایا تھا: "اے مکہ! تو کتنا پیارا شہر ہے، تو مجھے کس قدر محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی دوسرے مقام پر سکونت اختیار نہ کرتا۔"

جہاں تک دورِ حاضر میں وطنیت کی نفی کا تعلق ہے تو یہ جذبہ سلطنتِ عثمانیہ کے ٹوٹنے اور جدید نیشن سٹیٹس کے قیام سے جنم لیا۔

سوالی: میرے آقا! سلطنتِ عثمانیہ اور جدید نیشن سٹیٹس کا وطنیت کی نفی سے کیا تعلق ہے؟

شیطان: دوست! در حقیقت اسلام عالمی بھائی چارے کا درس دیتا ہے اور وطن کو ثانوی اہمیت کا حامل قرار دیتا ہے۔ ہجرتِ مدینہ یہ تھی کہ مسلمان، اسلام کی خاطر اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں آباد ہو گئے تھے۔ یعنی اسلام ان کا مقصدِ اولیں تھا جس کی خاطر انھوں نے اپنے وطن کو بھی ترک کر دیا۔ مگر اس بار تو عرب اور دیگر مسلمانوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے گرانے میں ہماری مدد کی ہے۔ یہاں وطن، اسلام پر برتری لے گیا۔ اور انھی باتوں کا تذکرہ اقبال نے اپنی شاعری میں یوں کیا ہے۔

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدہء تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہء دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کي قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوي خاک میں اس بت کو ملا دے!

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی

رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی

دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے

تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے

کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے

قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

سوالی: میرے آقا! ان باتوں سے مجھے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وطنیت کا شربت ہمارے لیے جاں افروز ہے جبکہ مسلمانوں کے لیے جاں سوز۔ اگر میں درست سمجھا ہوں تو پھر اس میں کیا حکمت ہے؟ یہ کیسی مے ہے جو مے خواروں کے تبدل سے تاثیر بدل دیتی ہے؟

شیطان: دوست! تمھاری کم فہمی پر مجھے افسوس ہے۔ ہر بات میں اگر بیاں کر دوں تو تمھارے ایمان میں خلل آجائے۔ میری رسی کو مضبوط تھام لو تاکہ تمھیں اس بات کی حکمت بیان کر دوں۔

(یہ سنتے ہی حاضرینِ مجلس شیطان کے سامنے سجدہ ریز ہو گے جس سے وہ بہت خوش ہوا)

شیطان: دوست! زمین کے کسی ٹکڑے سے عقیدت، اسکی حفاظت اور اسکے لیے جنگ وجدل ایک مساوی میدان ہے جس میں مسلم و غیر مسلم سب برابر ہیں۔ سب کا جذبہ ایک سا ہوتا ہے۔ مسلمان جب اس درجے سے نکل جاتا ہے اور اسلام کو وطن سے مقدم کر لیتا ہے تو پھر وہ جہاد کے درجے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسکا مقصد بالکل بدل جاتا ہے۔ نتیجتاً اسکا جذبہ غیر مسلم کے مقابلہ میں کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی اجتماعی طور پر اسلام کو مقدم رکھا اور جہاد کو اختیار کیا دنیا پر حکمرانی کی۔ اس لیے مسلمانوں کو وطنیت کی قید میں رکھنے کا مطلب انھیں ایسے ہتھیار سے محروم کرنا ہے، دنیا بھر میں جسکا توڑ نہیں اور وہ ہر میدان میں انکی فتح کا ضامن ہے۔

سوالی: میرے آقا! یہ اتنی بڑی حقیقت ہے جس سے ہم تو غافل تھے ہی مگر میں حیران ہوں کہ مسلمان کیسے اس معاملے میں خاموش ہیں؟ جس پیمانے پر وطنیت کی نفی کی جا رہی ہے وہ اسکی اہمیت کے مقابل کچھ بھی نہیں۔

شیطان: دوست! یہ سب میری خفیہ تدبیروں اور میرے اولیائے سابقین کی انتھک کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ تم نے پاکستان کا ذکر کیا تھا کہ وہاں وطنیت کی نفی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ چند بنیاد پرست جیسے علامہ اقبال اور انکے پیروکار جیسے ڈاکٹر اسرار احمد اور خادم رضوی وغیرہ اس نظریے کے داعی ہیں مگر تم نے حکومتی سطح پر کبھی ایسی بات نہ سنی ہو گی اور نہ سنو گے۔ پاکستان کو دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرے بچھتر برس بیت گئے ہیں۔ اس عرصے میں ہزاروں ملی نغمے، ڈاکومینٹریز، ڈرامے اور فلمیں بنائی

گئیں مگر ان میں ایک کا بھی موضوع اسلام نہیں۔ تمام کے تمام وطن پرستی پر مبنی ہیں اور اگر اسلام کا کہیں ذکر ہے بھی تو وطن ہی کی نسبت سے ہے۔ کہیں امت، جہاد، اسلامائیزیشن اور بیت المقدس کی فتح وغیرہ کا تذکرہ تک نہ ملے گا۔ وطن پرستی کی ان تیز روشنیوں میں ڈاکٹر اقبال و اسرار وغیرہ اس قدر بے نور ہیں کہ نظروں کو دیکھنے میں دقت ہو۔

یہ میرے اولیائے سابقین کی کاوشیں ہیں جنکا پھل تم کاٹ رہے ہو اور اب تمھارا فرض ہے کہ ان پودوں کو پانی دیتے رہو تاکہ سوکھنے نہ پائیں۔

سوالی: میرے آقا! پودوں کو پانی دینے سے کیا مراد ہے؟

شیطان: دوست! اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے صاحبِ اقتدار لوگوں کو ہڈیاں ڈالتے رہوں اور انکی رسی ڈھیلی نہ چھوڑو۔ انھیں اتنا نوازو کہ تمھاری چاکری کے لیے آپس میں مقابلے بازی کرنے لگیں۔ جب یہ کیفیت بنی رہے گی تو پھر تم انھیں من چاہی شرائط پر خرید سکوگے۔

سوالی: میرے آقا! اس معاملے میں ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے اور وطنیت کے پودے کو متواتر پانی دیتے رہیں گے۔

جمہوری نظام

سوالی: اے میرے آقا! جمہوری نظام میں عوامی رائے کو ان کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے فوقیت دی جاتی ہے۔ ایسے میں اگر کسی علاقے میں عوام مذہبی پیشواؤں کو منتخب کرلے تو کیا وہ ہمارے لیے خطرہ کا باعث نہیں بن سکتے؟ کیا اس سے بہتر کوئی نظام ہمارے پاس موجود ہے؟

شیطان: دوست! میرے پاس بہت سے نظام ہیں اور میں انھیں زمانے کے لحاظ سے گردش میں لاتا ہوں۔ 612ء میں جب اسلامی نظام آیا تو میرا تقریباً چھ سو سالہ قدیم نظام زمیں بوس ہوا، جو کہ نبی عیسیٰؑ کے جانے کے بعد شروع ہوا تھا۔ اسلامی نظام نبی محمد ﷺ کے جانے کے بعد بھی تقریباً تیس سال تک قائم رہا اور تب تک میرا نظام زمیں بوس ہی رہا۔ مگر میں خاموش نہیں بیٹھا بلکہ مختلف چالیں چلتا رہا جن میں سے ایک کی تو فصل آج بھی ہری بھری ہے۔ یہ چال میں نے یوں چلی کہ جب مسلمان دن بدن مضبوط ہو رہے تھے اور ان کے مقابل کوئی طاقت نہ ٹھہر پاتی تھی۔ ایسے میں، میں نے ایک یہودی عبداللہ بن ابی کو محرک کیا۔ اس جواں مرد نے فرقوں کی صورت میں اسلامی چٹان کو آپس میں ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد مجھے اپنے بکھرے ہوئے ٹکڑے جمع کرنے کی ہمت ہوئی۔ میں نے رفتہ رفتہ اپنی کاوشیں تیز کر دیں۔ اس دورسے میں اسلامی نظام کے خلاف جہاد کرتا رہا۔ کہیں کامیابی سے

ہمکنار ہوا تو کہیں شکست کا طوق میرے حصے میں آیا۔ دورِ حاضر کی سب سے بڑی کامیابی مجھے پچھلی صدی میں سلطنتِ عثمانیہ کے ٹوٹنے سے حاصل ہوئی۔ گو کہ سلطنت عثمانیہ بہت کھوکھلی ہو چکی تھی مگر تمام مسلمانوں کا ایک چھتری تلے جمع رہنا میرے لیے بہت خطرے کی بات تھی۔

اس کے بعد جو میں نے دنیا کو نظام دیا وہ عین دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق تھا اور اسے میں نے بڑے تجربوں کے بعد ترتیب دیا۔ لوگوں کو طویل عرصے کے لئے ایک نظام اپنا غلام نہیں بنا کر رکھ سکتا کیونکہ غلامی کا دکھ انقلابی فضا کو جنم دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ فضا آندھی میں تبدیل ہوتی ہے اور مخالف نظام کو اکھیڑ پھینکتی ہے۔ ایسے میں ضروری تھا کہ لوگوں کو ایسا نظام دیا جائے جو کہ بظاہر تو ان کے دستِ قدرت میں ہو مگر حقیقتاً اس کی باگ دوڑ کہیں اور سے چلتی ہو۔ ایسے میں بغاوت کا اندیشہ بہت کم ہوتا ہے کیونکہ اس نظام کو چلانے والے ہاتھ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ سو بغاوت ہو تو کس کے خلاف۔ اس لیے جمہوریت سے بہتر کوئی متبادل نہیں۔

سوالی: اے میرے آقا! افغانستان میں جمہوری نظام کیوں کامیاب نہ ہو سکا؟

شیطان: دوست! افغانیوں کی غیرتِ دیں کی وجہ سے۔

سوالی: میرے آقا! اسکا علاج کیا ہے؟

شیطان: دوست!

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو

سوالی: اے میرے آقا! مُلا کو افغانستان سے نکالنے کی ہم بہت کاوش کر چکے ہیں مگر ہر بار ناکام ہی ٹھہرتے ہیں۔ حال ہی میں ہم نے دہشتگری کے نام پر پوری دنیا کو ساتھ ملا کر افغانیوں کے ساتھ بیس سال جنگ کی مگر ناکام ٹھہرے۔ ایسے میں معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں انھیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ کیا یہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو پھر اس مرض کی کیا ممکنہ دوا ہو سکتی ہے؟

شیطان: تیری بات بالکل درست ہے کہ میدانِ جنگ میں انھیں کوئی شکست نہیں دے سکتا کیونکہ ان میں جذبہء جہاد ابھی زندہ ہے۔ اور اس مرض کی دوا بھی یہی ہے کہ انھیں اس جذبے سے محروم کر دو۔ اس کے بعد ہی تم اپنا نظام ان پر مسلط کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔

سوالی: اسلامی ممالک کو اسلامائیزیشن سے روکنے کے لیے کون سے اقدامات ضروری ہیں؟

شیطان: اسکا آسان طریقہ یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کو اپنا وفادار بنالو یا اپنے وفاداروں ہی کو حکمران بناؤ۔ جب وہ حکومت میں آجائیں تو لالچ اور خوف کے ذریعے انھیں اپنی گرفت میں رکھو۔ اور اِنہی ہتھیاریوں کے ذریعے انھیں اپنے اشاروں پر چلاؤ۔ بہت جلد وہ تمھارے وفادار ہو جائیں گے۔ پھر جب کسی ملک میں کوئی اسلامی تحریک چلتے دیکھو تو بس اپنے وفاداروں کو اشارہ کر دو۔ وہ تمھیں مایوس نہیں کریں گے۔

سوالی: میرے آقا! دنیا میں کوئی بھی نظام رائج ہو اس کے مقابل نظام کے لئے کاوشیں ضرور چل رہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح جمہوری نظام کے خلاف بھی یقیناً جدوجہد چل رہی ہے۔ ایسے میں جمہوریت کا تحفظ کیسے یقینی بنایا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست ! کسی بھی نظام کو اصل خطرہ عوام سے ہوتا ہے نہ کہ حکمرانوں سے کیونکہ وہی نظام تو حکمرانوں کا محافظ ہوتا ہے۔ جمہوریت کا تحفظ یوں یقینی بنایا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں سے اسے خطرہ ہے (یعنی عوام) انھیں مصروف رکھو تا کہ انقلاب کا سوچ بھی نہ سکیں۔ اور حکمرانوں کو خوف اور لالچ کے کنوئے میں قید رکھو تا کہ تمھارے وفادار رہیں۔

سوالی: میرے آقا! مسلم ممالک میں بہت سی تحریکیں نظامِ خلافت کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کا کیسے قلع قمع کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست! جب تم نے ہر ملک میں اپنے وفادار حکمران بٹھا دیے تو بس ان کے ذریعے ان تحریکوں اور تنظیموں کو دہشتگرد قرار دے کر انھی کے سپاہیوں سے قتل کروادو۔ تم نے تو بس ایک حکم ہی دینا ہے وہ تو تمھاری فرمانبرداری کے لیے ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! ہمارے نظام کو سب سے زیادہ خطرہ کس ملک سے ہے؟

شیطان: اے دوست! اس وقت مجھے سب سے زیادہ خطرہ افغانستان سے ہے کیونکہ اس کے سپوت جذبہء جہاد سے لبریز ہیں اور ان کے ایمان کی حرارت سے ہمسایہ ملک پاکستان کے لوگ بھی حرکت میں آرہے ہیں۔ جو کہ اس سے بڑھ کر خطرہ ہے کیونکہ پاکستان ایک ایٹمی قوت بھی ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کو آمنے سامنے کردو تا کہ آپس میں لڑتے رہیں۔ ورنہ تم نے آزمالیا ہے کہ ان سے جنگ تمھارے بس کی بات نہیں۔

سودی نظام

سوال:اے میرے آقا!روایتی جنگوں سے ہٹ کر اور کس طریقے سے دشمن کو زیر کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: اے دوست! اس کے بہت سے طریقے ہیں جن میں سے مؤثر ترین معاشی جنگ ہے۔ اور دورِ حاضر میں اس جنگ کو مسلط کرنا انتہائی آسان ہے۔ جیسا کہ میرے سپاہیوں نے دنیا کو ایک لڑی میں پرو کر امریکہ کی مٹھی میں دے دیا ہے۔ ایسے میں تمھیں جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں اتر کر دشمن سے لڑنے کی کوئی حاجت نہیں ہے بلکہ اپنی تدبیروں سے انھی کے ہاتھوں ان کو زیر کرو۔ تمھارے پاس طاقتور ادارے جیسے (IMF, World Bank, UN, NATO and OIC etc.) موجود ہیں۔ ان اداروں کے ذریعے تم دنیا کو لالچ اور خوف کی زنجیروں میں جکڑ کر سودی نظام کی قید میں ڈال دو۔ اس طرح وہ تمھاری غلامی میں آجائیں گے۔ پھر بھلا آقا اور غلام میں کیا دشمنی۔ غلام کو صرف جانوروں کی طرح چارہ ڈالنا ہوتا ہے تاکہ وہ تمھارا کام صحیح طریقے سے سرانجام دیتا رہے۔ باقی تو وہ اپنے مالک کے سامنے ماتھا ٹیکنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔

سوال: میرے آقا! آپ نے ہمارے اداروں میں OIC کو بھی شامل کیا ہے جبکہ وہ تو مسلمانوں کی ایک تنظیم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ مسلمان ہی تو ہمارے راستے کی آخری

رکاوٹ ہیں۔ دوسرا آپ نے فرمایا کہ دنیا کو لالچ اور خوف کی زنجیروں میں جکڑ کر سودی نظام کی قید میں ڈال دو۔ یہ عملی طور پر کیسے ممکن ہے؟

شیطان: اے ناداں! تو نہیں دیکھتا کہ تمام مسلم حکمران امریکہ کی ربوبیت پر بڑا پختہ یقین رکھتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری کے لیے سر جھکائے حاضر رہتے ہیں۔ اس کی ناراضگی اور غضب سے انتہائی خوف زدہ رہتے ہیں۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہیں۔ ایسے غلام تو بڑے کام کے ہوتے ہیں چاہے تنہا ہوں یا جمع ہوں۔ اور OIC تو ان غلاموں کے ہجوم کے سوا کچھ نہیں جو کہ عین ہمارے حکموں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ باقی اداروں کی بنسبت OIC کا ہمیں اضافی فائدہ یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے مسلمان اس تنظیم کے فیصلوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس بنیاد پر OIC ہمارے لیے باقی اداروں کی بنسبت زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اسے اپنے اداروں میں شامل کیا۔

دوست! تیرے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں تقریباً دو سو ملک ہیں اور ان کے اتنے ہی حکمران ہیں۔ ایسے میں تمھارا واسطہ عوام سے نہیں بلکہ صرف ان دو سو چار سو حکمرانوں سے ہے۔ یہ تمھاری گرفت میں آگئے تو سمجھو ساری دنیا تمھاری گرفت میں ہے۔ انھیں گرفت میں لانے کا آلہ خوف و طمع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کے اقتدار کا مقصد حکومت و طاقت اور مال و منال کا حصول ہے۔ تم اپنے طاقتور اداروں کے ذریعے انھیں حکومت کے جانے کا خوف دلاؤ اور ساتھ ہی اسے قائم رکھنے کے لیے مالی امداد کا لالچ بھی دو۔ یوں وہ اپنی حکومت کو بچانے کے لیے تمھاری غلامی پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایسے

میں تم انھیں سخت شرائط کے ساتھ سودی قرضے دو۔ جب یہ دروازہ ایک دفعہ کھل گیا پھر اسکا بند ہونا محال ہے۔

سوالی: لیکن میرے آقا! اسلام میں تو سود کے بارے میں بہت سخت احکامات ہیں۔ سنا ہے کہ ان کے مطابق اس گناہ کے ستر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ کوئی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ ایسے میں مسلمانوں کو کیسے اس گناہ کے لیے آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ آمادہ نہ ہوئے تو اندیشہ ہے کہ اپنے حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور ہمارے مقاصد کے آگے دیوار بن جائیں۔

شیطان: اے دوست! تیری بات درست ہے کہ سود اسلام میں ایک سنگین جرم ہے لیکن آج کے دور میں کسی چیز کی فرضیت و حرمت کو گھٹانا کچھ مشکل نہیں۔ تم جدید آلات کو استعمال میں لاتے ہوئے مسلمانوں کو اللہ کے حکموں سے غفلت میں مبتلا کرو۔ غفلت سے ان میں لاعلمی اور بے ایمانی پروان چڑھے گی اور لاعملی اور بے ایمانی کے ملاپ سے بے عملی جنم لیتی ہے۔ اس درجے پر جب لوگ پہنچ جائیں تم ان سے کچھ بھی کرا سکتے ہو کیونکہ اس مقام پر اچھائی اور برائی کے مابین فرق ختم ہو جاتا ہے۔

سوال: میرے آقا! مسلمانوں کو علم سے محروم کرنا اتنا آسان نہیں کیونکہ ہر ملک میں ہزاروں مدرسے ہیں جہاں علماء لوگوں کو دینی تعلیمات سے مزین کر رہے ہیں۔

شیطان: اے دوست! آج دنیا روزمرہ کی معلومات کہاں سے لے رہی ہے۔ یقیناً لوگوں تک اکثر معلومات میڈیا کے ذریعے پہنچ رہی ہیں جس کی باگ تمھارے ہاتھ میں ہے۔ پس اس کے ذریعے لوگوں کو مدرسوں سے متنفر کرو اور لادینیت کو مزین کر کے پیش کرو۔ اس کے

ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ بھی باور کراؤ کہ اسلام کے پاس کوئی معاشی نظام ہی موجود نہیں تاکہ وہ موجودہ معاشی نظام سے نکلنے کا سوچیں بھی نہ بلکہ اپنی محنت سے اسے مزید مضبوط کرتے رہیں۔

سوالی: میرے آقا! اگر اسلام کے پاس معاشی نظام موجود نہیں تو پھر تو ہمیں انھیں ایک موقع دینا چاہیے تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کی نااہلی واضح ہو جائے اور اسلامی بنیاد پرستوں کا دعویٰ غلط ثابت ہو جائے جو وہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے؟

شیطان: اے ناداں! تجھے کس نے کہا کہ اسلام کے پاس معاشی نظام موجود نہیں۔ میری بات کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو یہ ظاہر کیا جائے کہ اسلام کے پاس معاشی نظام نہیں ہے وگرنہ اصل معاشی نظام تو ہے ہی اسلام کے پاس۔ اے دوست! میں نے قدسیوں میں ایک عمر گزاری ہے اور خدا نے انھیں کو مختلف امور کے لیے مامور کیا ہوا ہے۔ جہاں تک رزق کی بات ہے تو وہ تو تمام تر مخلوقات کے لیے اترتا ہے چاہے وہ سمندر کی تہہ میں ہوں یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر۔ جہاں تک انسان کا معاملہ ہے تو خدا نے اسے امتحان کے لیے پیدا کیا اس لیے رزق کو بھی اس کے لیے ذریعہ امتحان بنا دیا۔ زرق مکمل اترتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ خدا بعض کا رزق بعض کو عطا کر دیتا ہے تاکہ آزمائے کہ جو محروم رہ گئے ہیں وہ صبر کرتے ہیں یا نہیں اور جن کو اضافی عطا ہوا ہے وہ اسے صدقہ و زکواۃ کے ذریعے اصل حقداروں تک پہنچاتے ہیں یا نہیں۔ ایسے میں جب اسلامی نظام قائم ہو تو لوگ خدا کی رضا کے لیے زکواۃ و صدقات صحیح صحیح ادا کرتے ہیں جس سے معاشرے میں مساوات کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

سوالی: میرے آقا! یہ جو فلاح و بہبود کے نام پر مختلف معاشی و سماجی جنگیں ہم لڑ رہے ہیں اگر لوگوں پر ان کی حقیقت ظاہر ہو گئی تو ہماری بہت بدنامی ہو گی اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے مشن کو بھی نقصان پہنچے گا۔ ایسے میں کون سی تدبیریں اپنانی چاہئیں کہ لوگوں پر حقیقت عیاں نہ ہو سکے؟

شیطان: دوست! جیسے میں نے پہلے ذکر کیا کہ میڈیا تمھارے پاس ہے اور جو تم لوگوں کو دکھاؤ گے وہی سچ ہے۔ اس کے علاوہ تم اپنے پلان میں 15 سے 20 فیصد فلاح و بہبود کے کاموں کو بھی شامل کرو تاکہ تمھارے لیے لوگوں کو قائل کرنا آسان ہو جائے کہ دیکھو ہم تمھاری فلاح کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اس سے لوگوں کی نظریں تمھارے اصل مشن سے ہٹی رہیں گی۔ مثلاً اگر تمھارا ٹارگٹ پاکستان کے ایٹمی اثاثے یا اس کی معیشت ہے تو تم "امریکہ اور پاکستان مل کر بنا رہے ہیں خوشحال پاکستان" کا نعرہ لگا کر جا گھسو۔ پھر تھوڑا خوشحالی کا کام بھی کر لو اور اسے لوگوں کو میڈیا پر بار بار دکھاؤ تاکہ وہ تمھارے اصل ہدف کو نہ جان سکیں۔

سوالی: اے میرے آقا! سود میں آخر ایسا ہے کیا کہ اسلام نے اسے زنا سے بھی بدتر قرار دے دیا؟

شیطان: ارے ظالم! تو کیوں مجھ سے وہ راز افشاں کرا رہا ہے جو اگر لوگوں پر ظاہر ہو گئے تو میری تمام تر کاوشیں خاک میں مل جائیں گی۔ آئندہ مجھ سے ایسا سوال مت کر۔ سودی نظام دراصل اکثر گناہوں کی جڑ ہے۔ اس کے ذریعے برائیاں از خود پروان چڑھتی ہیں اور مجھے بہت کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ سود جب کسی معاشرے میں فروغ پاتا ہے تو غریب، غریب سے

غریب تر اور امیر، امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور معاشرے میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس خلا کو برائیاں پر کرتی ہیں۔ غریب امیروں کی عیاشیاں دیکھ کر ان سے نفرت کرتے ہیں، چوری چکاری اور قتل و غارت بڑھ جاتا ہے، عورتیں اپنے جسم کا سودا کرنے پر مجبور ہو جاتیں ہیں، دوسری طرف امیروں کو دولت کا نشہ اندھا کر دیتا ہے اور وہ غریبوں کی عزتیں لوٹتے ہیں، ان کی ماؤں بہنوں کے جسموں کی قیمتیں لگاتے ہیں، عدالتیں اور حکومتیں بھی ان کے آگے سرنگوں نظر آتی ہیں اور بے شمار برائیاں ہیں جو اس گناہ کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں۔ پھر کیونکر یہ زنا سے بدتر نہ قرار پائے۔

پس تم لوگوں کو اس گناہ کی طرف مائل کرو۔

نظام تعلیم

سوال:میرے آقا!کسی بھی معاشرے کے بناؤ یا بگاڑ میں نظام تعلیم اہم کردار ادا کرتا ہے۔جیسا کہ دنیا کے تمام ممالک پر ہمارے وفاشعار حکمران مسلط ہیں اور وہ تعلیم سمیت تمام تر ملی سرگرمیاں ہماری تمناؤں کے مطابق چلا رہے ہیں ،ایسے میں یہ ہمارے پاس اپنے ایجنڈے کی تشہیر کا ایک انمول ذریعہ ہے۔ہم نئی نسل کے ذہنوں کو اپنے نظام کے سانچے میں با آسانی ڈھال سکتے ہیں۔اس پر ہم اپنی فہم و فراست کے مطابق پہلے ہی کام کر رہے ہیں لیکن آپ اگر راہنمائی فرمادیں تو بہت بہتری کی امید ہے۔

شیطان: دوست!تو نے درست فرمایا کہ تعلیمی نظام معاشرے کے بنانے یا بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اس معاملے میں تمھارا اولیں قدم یہ ہونا چاہیے کہ اپنے ہدف کو واضح کرو تاکہ تیغ و تیر ضائع نہ کرتے پھرو اور تمھارا ہدف مسلمان ہیں کیونکہ باقی پہلے ہی ہمارے تابع ہیں۔مسلمانوں کی علمی درسگاہوں کے بارے میں دس بنیادی نکات ہمیشہ ملحوظ رکھو اور ان کے مطابق میدانِ عمل میں اپنی کاوشوں کے گھوڑے دوڑاؤ۔

1۔دہریت کی تعلیم

جس عمر میں بچہ تعلیمی درسگاہ جاتا ہے وہ اسکی ذہنی وجسمانی افزائش کا دور ہوتا ہے۔اسے جس سانچے میں ڈھال دیا جائے زندگی بھر اسی میں ہی تیرتا پھرتا ہے۔ایسے میں ہمیں اس کے

ذہن کو سائنس کے تابع کرنا ہے اور اسے یہ باور کرانا ہے کہ کائنات کا سارا نظام خود کار ہے نہ کہ کوئی ہستی اسے چلا رہی ہے۔ یہ سوچ اسے اسلام کے تمام حقائق سے متنفر کر دے گی۔

2۔ مغربی برتری

دوسرا اس مرحلے میں ایسی ذہن سازی کی ضرورت ہے کہ جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو مغرب کی برتری اس کے بنیادی عقائد کا حصہ ہو۔ مثالی ضابطہء حیات کی جب بات ہو تو اس کے ذہن میں مغربی نظام کے علاوہ اور کسی طرق کے بارے میں شبہ بھی نہ گزرے۔ اور یہ دو طرفہ عمل ہے۔ تمھیں مغربی نظام کی عمدگی کی بھی تعلیم دینی ہو گی اور مخالف نظام کی عیب جوئی بھی کرنی ہو گی۔ مگر یہ بہت احتیاط طلب کام ہیں کیونکہ اس سے تمھارے خفیہ مقاصد کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہے۔

3۔ ظاہری مقاصد

خفیہ مقاصد کو خفیہ رکھنے کے لیے تمھیں ظاہری مقاصد کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا ہو گا۔ ظاہری مقاصد میں وہ تمام چیزیں شامل کرو جنھیں دورِ حاضر کے والدین اپنی اولاد میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی کچھ حصہ شامل کرو تاکہ والدین بھی مطمئن ہو جائیں اور سب سے اہم یہ کہ بنیاد پرست مسلمانوں کو ہمارے خلاف کوئی جواز بھی نہ مل سکے گا۔

4۔ زبان

زبان کا دائرہ صرف بول چال تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ اس زبان کے علمی خزانے کی طرف کھلنے والا دروازہ ہے۔ انسان سیکھی ہوئی زبان کے علم و ادب سے اپنے ذہن و قلب کو مزین کر

سکتا ہے۔ اسلام عربوں میں پروان چڑھا اور قرآن بھی عربی زبان میں اترا۔ یوں عربی زبان، اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور متعلقہ علوم و فنون سے مستفید ہونے کے لیے اساسی اہمیت کی حامل ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے اسلامی روح کا پانا عربی سیکھے بغیر بہت محال ہے۔

اس نقطے کے پیشِ نظر ہمیں مسلمانوں کو عربی کے متبادل زبانیں سیکھنے کے آسان مواقع فراہم کرنے ہیں اور انکے دنیوی فوائد بھی واضح کرنے ہیں تا کہ لوگ مزید انکی طرف مائل ہوں۔ دیگر زبانوں کے سیکھنے کا رجحان مسلمانوں کو عربی زبان سے دور رکھے گا اور نتیجتاً وہ ایک بہت بڑے علمی ذخیرے سے محروم رہیں گے۔ ہم اپنی زبان کے ذریعے مسلمانوں میں اسلام مخالف نظریات بھی منتقل کر سکتے ہیں اور مغربی نظام کا ایک مثبت عکس بھی پیش کر سکتے ہیں۔

5۔ آداب

دوست! نسلِ نو کے آداب پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آداب دراصل وہ طور طریقے ہیں جن کے بغیر کام تو ہو جاتا ہے مگر خوبصورتی سے محروم رہتا ہے۔ مثلاً تو کسی کے گھر جاتا ہے تو پہلے اجازت طلب کرتا ہے پھر اندر داخل ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل ہو جائے۔ اب دونوں طریقوں سے یہ کام ہو تو جاتا ہے مگر دوسرے طریقہ یعنی بغیر اجازت کسی کے گھر داخل ہونے میں ایسی برائیاں ہیں جس وجہ سے یہ کام بد نما ہو جاتا ہے۔ مثلاً تو کسی کے گھر بغیر اجازت داخل ہوا اور آگے کسی مرد یا عورت کو ایسی حالت میں پائے جو تجھے بھی برا لگے اور گھر والوں کو بھی۔ اگر تو اجازت طلب کرتا تو وہ اپنی حالت پہلے درست کرتے پھر تجھے اجازت دیتے۔

اس طرح زندگی کے تمام پہلو کچھ آداب رکھتے ہیں جو ان کی خوبصورتی کے ضامن ہوتے ہیں۔ اسلام کے اپنے اور منفرد آداب ہیں جو کہ مغربی معاشرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اور یہ آداب مسلمانوں کے جذبہء ایمان کی افزائش کا بھی ذریعہ ہیں۔ایسے میں ہمیں متبادل آداب مسلمان طالب علموں کو سکھانے ہوں گے جو انھیں اسلامی آداب سے دور کر دیں۔

6۔لباس

گو کہ لباس بھی موضوعِ آداب کا جزو ہے مگر اسکی اہمیت کے پیشِ نظر علیحدہ سے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام زیب و آرائش سے زیادہ لباس کے بنیادی مقصد پر زور دیتا ہے اور وہ ہے جسم کا ڈھانپنا، حیا کی بقا اور جسم کی حفاظت کے لیے۔اب ہمیں مسلمان طلباء کی ذہن سازی یوں کرنی ہے کہ زیب و آرائش ان کا مقصدِ اولیں بن جائے اور جسم کی حفاظت مقصدِ ثانوی۔ اور جہاں تک شرم وحیا کا معاملہ ہے تو اس کا تصور ہی ختم کر دو جیسے وہ ازل سے موجود ہی نہ ہو۔ بچیوں کو شروع سے ہی جسم کی نمائش کا عادی بناؤ تا کہ جوان عمری میں وہ باریک لباس پہننے میں کوئی عار نہ محسوس کریں اور بچوں کو برہنہ جسم دیکھنے کا عادی بناؤ تا کہ جوانی میں انھیں یہ معمول کی بات لگے اور پردہ داری عیب معلوم ہو۔

7۔لغو سرگرمیوں کی ترویج

اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لیے زندگی کی مصروفیات سے خاصا وقت نکالنا پڑتا ہے۔اس کے پیشِ نظر غیر نصابی سرگرمیوں کے نام پر مسلمان طلبا کو لغو کاموں کا عادی بناؤ جن سے سوائے عارضی لذت کے کچھ نہ حاصل ہوتا ہو۔یہی سرگرمیاں ان کی عملی زندگی کا حصہ بن جائیں گیں اور انھیں دینی فرائض سے غافل رکھنے میں مؤثر ثابت ہوں گیں۔

8۔مادہ پرستی

دوست! مادیت، روحانیت کی قاتل ہے۔روح دراصل وہ دربان ہے جو حق و باطل کی پہچان کرتا ہے۔ جب انسان کے اندر دنیا کے حصول کی ہوس زور پکڑتی ہے تو یہ دربان سہم کر خاموش ہوجاتا ہے۔ نتیجتاً انسان ہر طرح کا گناہ کرتا چلا جاتا ہے مگر اسے احساس ہی نہیں ہوتا۔وہ سمجھتاہے کہ سب کچھ ٹھیک چل رہاہے۔سو تمھیں مسلمان طلبا کے اندر مادہ پرستی کو پروان چڑھاناہے۔انھیں یہ باور کراناہے کہ زندگی کا مقصد دنیاوی عہدوں کا حصول اور مال و منال کا جمع کرناہے۔تاکہ وہ تمام ترکاوشیں اسی کے حصول کے لیے مختص کرلیں اور اصل مقصد حیات سے غافل رہیں۔

9۔فضول خرچی

دوست! جیسے میں نے پہلے لغو سرگرمیوں اور ان سے مطلوب مقاصد کا تذکرہ کیا، فضول خرچی بھی اسی نوعیت کی بیماری ہے جو نہایت مؤثر ہوسکتی ہے۔غیر نصابی سرگرمیوں کے نام پر طلبا کو فضول خرچی کا عادی بناؤ۔ وہ اپنے والدین کو ان چیزوں کے لیے مجبور کریں گے۔ والدین بچوں کی یہ ضروریات پوری کرنے کے لیے حرام ذرائع کا استعمال کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ علاوہ ازیں یہی بچے جب بڑے ہوں گے تو فضول خرچی کی عادت ان کی خواہشات کو بے لگام کردے گی اور یہ ہلاکت کا ساماں اپنے ہاتھوں کرتے رہیں گے۔

10۔تن آسانی

اسلامی تعلیمات کے مطابق دنیا امتحان گاہ ہے اور نتائج کا اعلان روز حشر ہوگا۔ زندگی کا یہ تصور انسان کو ہمہ وقت دینی جدوجہد کے لیے ابھارتا ہے۔نسلِ نو کی یہ دینی جدوجہد ہمارے

لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ وہ جدید علوم سے بھی آراستہ ہیں۔ ایسے میں انھیں تن آسانی کا عادی بنانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ کسی طرح کی بھی جدوجہد سے قاصر رہیں۔

دوست! ان بیان کردہ طریقوں کو مسلم ممالک کے تعلیمی اداروں میں نافذ کرو تاکہ نسلِ نو ہمارے نظام ہی کی مدح سرا رہے اور اسلامی تعلیمات سے انھیں کراہت آئے۔

فرقہ واریت

سوالی: میرے آقا! خدا نے انسان کو مختلف ساختوں پر پیدا کیا اور ان کے ظاہر اور باہر کو ایک دوسرے سے جدا رکھا تاکہ دنیا کی رگوں میں زندگی عمدگی کے ساتھ رواں رہے۔ سب کو اگر یکساں صلاحیتیں دے دی جاتیں تو کارخانہء دنیا ایک لمحہ بھی نہ چل پاتا۔ اگر سب کو ایک ہی سوچ دے دی جاتی تو اتنے بڑے پیمانے پر علمی اور سائنسی ترقی ممکن نہ ہوتی۔ سو خدا نے اپنی حکمت سے انسانوں میں یہ تفریق رکھی۔ سو اس تفریق سے ہم کیسے مستفید ہو سکتے ہیں میرے آقا؟

شیطان: دوست! میں نے ہر دور میں اہل حق کے خلاف اختلافِ رائے کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہود پر جب میں نے اور جن و انس میں سے میرے دوستوں نے محنت کی تو وہ اکہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ اور جب عیسائیوں پر محنت کی تو وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ موجودہ مسلمان اُمت کے خلاف بھی تم میری مدد کرو تاکہ ہم ان میں موجود اختلافات کو ہوا دے کر تفریق اور نفرت پیدا کر دیں۔

سوالی: میرے آقا! موجودہ مسلمان اُمت کے علماء کی انتھک محنت کے طفیل احکامِ شریعت قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ہیں، جس کی وجہ سے ان میں اختلافات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسے میں کیا ممکن ہے کہ لوگ ننانوے فیصد محکم باتوں کو پسِ پشت ڈال کر ایک فیصد متشابہ باتوں پر جھگڑنا شروع ہو جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ قرآن و حدیث میں بھی فرقہ واریت سے بچنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ

قرآن میں فرمایا:

"اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے جس کی نصیحت نوح کو کی ہے اور جس کی وحی پیغمبر تمہاری طرف بھی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیم علیہ السّلام، موسیٰ علیہ السّلام اور عیسیٰ علیہ السّلام کو بھی کی ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا ہونے پائے مشرکین کو وہ بات سخت گراں گزرتی ہے جس کی تم انہیں دعوت دے رہے ہو اللہ جس کو چاہتاہے اپنی بارگاہ کے لئے چن لیتاہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت دے دیتاہے۔"(سورہ شوی، آیت ۱۳)

"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کردی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہّنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔"(سورہ انعام، آیت ۶۵)

"اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔"(سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳)

"اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہِ خدا سے الگ ہو جاؤ گے اسی کی پروردگار نے ہدایت دی ہے کہ اس طرح شاید متقی اور پرہیز گار بن جاؤ۔"(سورہ انعام، آیت ۱۵۳)

حدیث میں فرمایا:

" تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردن مارنے لگے۔" (سنن ابو داؤد)

"میرے بعد فتنہ و فساد ہو گا، تو تم جسے دیکھو کہ وہ امت محمدیہ میں اختلاف اور تفرقہ پیدا کر رہا ہے جب کہ وہ متفق ہیں و متحد ہیں تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔"(سنن نسائی)

"اللہ نے تمھارے لیے تین باتوں کو ناپسند اور تیب باتوں کو پسند کیا ہے۔ پسند تو اس بات کو کیا ہے کہ تم صرف اس ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی مت کرو اور حکمرانوں کے خیر خواہ رہو اور ناپسند اس بات کو کیا ہے کہ زیادہ قیل و قال کی جائے، مال کو ضائع کیا جائے اور کثرت سے سوال کیے جائیں۔"(مسند احمد)

"اے لوگو! تم اپنے اوپر "جماعت" کو لازم پکڑو، تفرقہ اور اختلافات سے بچو۔"(مسند احمد)

میرے آقا! ان حقائق کے پیشِ نظر مجھے صرف اندیشہ یہ ہے کہ ہماری محنت رائیگاں نہ چلی جائے؟

شیطان: ناداں! معلوم ہوتا ہے تو نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا۔ اس امت میں نبیؐ کی وفات کے فوراً بعد ہی میں نے پھوٹ ڈال دی تھی حالانکہ دورِ نبوی کے بعد وہ بہترین زمانہ اور لوگ میں سے وہ بہترین لوگ تھے۔ اب تو یہ کوڑا کچرا ہے جو ہواؤں کے رخ پر اڑتا ہے اور ہر ظالم و جابر کے سامنے جھکتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! اگر فرقہ واریت پھیلانا ممکن ہے تو اس کے لیے طریقہ کار کیا ہو سکتا ہے؟

شیطان: دوست !تم مسلمانوں میں جابیٹھو، ان کے عقائد کا مطالعہ کرو اور ان کی کتابوں کو کھنگالو۔ان میں تمھیں چند ایسے معاملات نظر آئیں گے جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔یہ اختلافات تمھیں عموماً علماء تک محدود نظر آئیں گے اور عوام ان سے ناواقف ہوتے ہیں۔سب سے پہلے تم ٹیکنالوجی کو استعمال میں لاتے ہوئے ان اختلافات کو عام کرو یہاں تک کہ عوام بھی ان سے واقف ہو جائیں اور اپنی محفلوں میں انھیں زیر بحث لانے لگیں۔

اس کے بعد علماء میں ایسے لوگوں کو تلاشو جو اختلاف میں شدت اختیار کرتے ہوں، انھیں لوگوں میں مقبول کرو اور دوسرا خود ایسے لوگ تیار کرو جو مسلمانوں کو اختلافی معاملات میں شدت پسندی پر ابھاریں۔اسکے بعد تم دیکھو گے کہ مسلمان کس طرح تفرقہ بازی میں پڑتے ہیں۔

حُبِ دنیا

سوالی: میرے آقا! محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ یہ دیوانگی اسے حق کی راہ سے بے راہ کر دیتی ہے۔ انسان ہر دور میں جس محبوب پر سب سے زیادہ فریفتہ ہوا ہے وہ دنیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا نے انسان کی آزمائش کے لیے اس محبوب کی زلف کے لہراؤ میں اور لب ورخ کے بناو میں کشش ڈال دی۔ انسان اسکی قربت کے واسطے ہر کرب وبلا میں کود جاتا ہے۔ ایسے میں یہ انسان کو مقصدِ حیات سے حجاب میں رکھنے کا ایک مفید آلہ ثابت ہو سکتا ہے۔

میرے آقا! دورِ حاضر میں ہم اپنے مقاصد کے حصول کے لیے یہ آلہ انسان کے خلاف کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! اس محبوب میں ایسے عیوب ہیں جو دیکھ لیتا ہے وہ اس سے نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے تو خلیفہ ءراشد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دنیا کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اے دنیا! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دے رکھی ہیں۔ تیری عمر تھوڑی، تیری ہم نشینی حقیر اور تیرا خطرہ بہت بڑا ہے۔

دوست! اس بات کے پیشِ نظر تجھے دنیا کے عیوب پر پردہ ڈالنا ہے تا کہ انسان انھیں دیکھ کر کہیں اس سے بے رغبت نہ ہو جائے۔

سوالی: میرے آقا! اس کا مطلب ہوا کہ دنیا اصلاً عیب دار ہے؟

شیطان: دوست! دراصل اس کے عیبوں کو اس کے حسن سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

سوالی: میرے آقا! اگر اسکے عیوب پہلے ہی ڈھانپ دیے گئے ہیں تو پھر ہمیں ان پر پردہ ڈالنے کی کیا حاجت ہے؟

شیطان: دوست! بلاشبہ عیوبِ دنیا کو اسکے حسن سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ انسان کی آزمائش ہے۔ انسان کو پرکھا جارہا ہے کہ وہ کس چیز کو ترجیح دیتا ہے؟ آیا وہ دنیا کی زلفوں کا اسیر بن کر بیٹھ رہتا ہے یا آخرت کے لیے جستجو کرتا ہے؟

اس آزمائش میں انسان کی اصل معاون شریعت ہے جو درحقیقت خدا کی رحمت ہے۔ شریعت دنیا کے عیبوں سے پردہ اٹھاتی ہے اور آخرت کے جمالِ لازوال کو سامنے لاتی ہے۔

سو تیرا دنیا کے عیوب پر پردہ ڈالنے سے مراد شریعت کا راستہ روکنا ہے جو دنیا کے عیوب کو بے نقاب کرتی ہے۔ پھر تو دیکھے گا کہ جو شریعت سے جس قدر دور ہو گا، دنیا اسے اسی قدر محبوب ہو گی۔

سوالی: میرے آقا! یعنی خدا نے عیوبِ دنیا کو اسکے حسن سے ڈھانپ دیا۔ پھر شریعت میں ان عیبوں کو ظاہر کر دیا تاکہ لوگ اس کے فریب میں نہ آجائیں۔ اور آپ اور آپکے دوستوں کا مقصد لوگوں کو شریعت سے دور رکھنا ہے تاکہ وہ دنیا کی عیوب سے آگاہ نہ ہو سکیں۔

شیطان: دوست! تم ٹھیک سمجھے ہو۔

سوالی: میرے آقا! انسان کو حبِ دنیا میں مبتلا رکھنے کے لیے ترکِ شریعت کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟

شیطان: دوست! ہر منزل کے کئی راستے ہوتے ہیں مگر عموماً انسان یہی دیکھتا ہے کہ آسان اور محفوظ ترین راہ کون سی ہے؟ اسی طرح انسان کو دنیا کی محبت میں مبتلا رکھنے کے کئی طرق ہیں مگر آسان اور محفوظ ترین طریقہ شریعت کی عدم موجودگی ہے۔ پھر بھی اگر تو دوسرا راستہ اختیار کرنے چاہے تو بقیہ تمام میں سے بہتر حسنِ دنیا کو طول دینا ہے۔

سوالی: میرے آقا! حسنِ دنیا کو طول دینا باقی طریقوں سے کیسے بہتر ہے؟

شیطان: دوست! خدا نے انسان کو کمزور پیدا کیا اور پھر اس کی مدد کے لیے شریعت اتاری۔ شریعت کائنات کی جان ہے۔ جس دن شریعت اٹھالی جائے گی اور دنیا میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہ جائے گا، کائنات بے جان ہو جائے گی اور قیامت قائم کر دی جائے گی۔

انسان کی قدرت اس قدر محدود ہے کہ وہ پھول کی خوشبو سونگھنے کو اسے ناک کے قریب کرتا ہے تو آنکھیں اسکے حسن سے صحیح محظوظ نہیں ہوتیں اور جب وہ اسے آنکھوں کے روبرو لاتا ہے تو خوشبو کا نشہ ہلکا پڑ جاتا ہے۔ انسان آسمان کی جانب نگاہ کرتا ہے تو زمین اس سے حجاب میں آجاتی ہے اور جب زمین کی طرف دیکھتا ہے تو آسمان اسکی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ پھر جو اختیار اسے دیا گیا ہے اس میں اکثر وہ بے اختیار نظر آتا ہے۔ تو دیکھتا نہیں کہ انسان کو اپنے محبوب کا ظاہری حسن اس کے باطن کی تاریکی سے کیسے بے فکر کر دیتا ہے۔ تو دیکھتا نہیں کہ انسان کیسے اپنے محبوب کی نگاہوں میں غوطہ زن ہو کر اسکے ناک کی بدنمائی کو بھول جاتا ہے۔ تو دیکھتا نہیں کہ کیسے محبوب کے لبوں کی نازکی انسان کو اسکے لباس کی بوسیدگی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

یعنی ایک ادا دلربا ہو تو ہزاروں عیوب کو بے معنی بنا دیتی ہے۔ تم دنیا کے معاملے میں اگر یہ حربہ استعمال کرو تو بڑی آسانی سے اس کے عیوب کو انسان کے لیے بے معنی بنا سکتے ہو اور اسی میں تمھاری کامیابی ہے۔

اس لیے حسنِ دنیا کو طول دینا باقی طریقوں سے بہتر ہے۔

سوالی: میرے آقا! حسنِ دنیا کو طول کیسے دیا جائے؟

شیطان: دوست! جدید دور کے آلات کو استعمال میں لاتے ہوئے انسان کو اعلیٰ و آراستہ حویلیوں کا نشہ پلاؤ، مرد و عورت کو عمدہ خوشبوؤں اور رنگوں میں رنگ کر سرِ بازار لاؤ۔ اسکے لئے جدید و لذیذ کھانوں کا اہتمام کرو، تن آسانی کے واسطے مجبوروں کو اسکا غلام کرو۔ اس کے لیے پر آسائش سواریاں تیار کرو، اے سی اور ہیٹر سے ہر موسم بہار کرو۔ اس کی آنکھوں کو نئے نئے نظارے دکھاؤ، تماشہ لگاؤ اور رقص و سرور کی محفلیں سجاؤ۔ اسکے تکبر کی تازگی کے لیے سامان تیار کرو اور مقبولیت کے لیے نئی راہیں استوار کرو۔ الغرض دنیا کے ہر عضو کو یوں آرستہ کرو جیسے عروسِ نو کو آراستہ کرتے ہو۔ پھر انسان بے چارہ اسکے عشق میں مبتلا ہونے سے بھلا کیسے خود کو بچائے گا۔

ردِ جہاد

سوالی: میرے آقا! جہاد مسلمانوں کے ہاں اتنا مقدس فریضہ ہے کہ ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میری امت پر یہ امر مشکل نہ گزرتا تو میں کسی سریہ (یعنی مجاہدین کا ایک چھوٹا سا دستہ جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ چالیس ہو) کی شرکت بھی نہ چھوڑتا۔ لیکن میرے پاس سواری کے اتنے اونٹ نہیں ہیں کہ میں ان کو سوار کر کے ساتھ لے چلوں اور یہ مجھ پر بہت مشکل ہے کہ میرے ساتھی مجھ سے پیچھے رہ جائیں۔ میری تو یہ خوشی ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور شہید کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔" (صحیح البخاری)

میرے آقا! اس معاملے میں اگر مسلمانوں کے جذبات کو قابو نہ کیا گیا تو عجب نہیں کہ ماضی کی طرح وہ پھر ہمارے نظام کا تختہ الٹ دیں اگرچہ کہ وہ تعداد اور قوت میں کم ہیں۔ ایسے میں کیا کیا ضروری اقدام کیے جاسکتے ہیں جو اس طوفان کو ابلنے سے روک سکتے ہیں؟

شیطان: دوست تو نے بہت اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جہاد وہ ہتھیار ہے جو جب تک مسلمانوں کے پاس رہا وہ غالب رہے۔ اس لیے ہر دور میں میری کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو اس سے دور رکھا جائے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کو جہاد سے بیزار کرنے کے درج ذیل طریقے ہو سکتے ہیں:

1۔ **دنیا کی محبت**

دوست! جہاد دین کے لیے قربانی کا نام ہے چاہے وہ مال کی ہو، وقت کی ہو، جان کی ہو یا دیگر متاعِ دنیا کی ہو۔ ایسے میں جب تم مسلمانوں کو حبِ دنیا میں مبتلا کرو گے تو وہ یقیناً قربانی سے گریز کریں گے۔ حبِ دنیا میں مبتلا کرنے کے لیے تمھیں جوئے شیر لانے کی حاجت نہیں بلکہ انسان کے دل میں خدا نے پہلے ہی دنیا کی محبت رکھ دی ہے۔ پس تمھیں اسے مزید مزین کر کے پیش کرنا ہے۔ دوسری طرف آخرت کا نشہ توڑنے کے لیے مسلمانوں کو قیامت کے بارے میں شک و شبہات میں مبتلا کرو۔ جب آخرت کا خوف جاتا رہے گا اور دنیا سج دھج کے جلوہ گر ہو گی تو بھلا مسلماں کو اس پر جھپٹنے سے کون سی طاقت روکے گی۔ پھر دنیا جس سے بغل گیر ہو بھلا وہ جہاد کا کیونکر سوچے گا۔

2۔ موت کا خوف

انسان کے اندر موت کا خوف دراصل دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے اور جس نے اپنی کمائی آگے آخرت کے لیے بھیج دی اس کا خوف جاتا رہتا ہے اور وہ موت سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس لیے تم مسلمانوں پر اس طور سے محنت کرو کہ وہ آگے کچھ نہ بھیجیں اور ساری جدوجہد دنیا کے لیے کرتے رہیں۔ یہ روش ان کے اندر موت کا خوف پیدا کر دے گی اور وہ جہاد سے کترانے لگیں گے۔

3۔ تعلیمی نظام

دوست! جب انسان ایک سبق بار بار پڑھتا ہے تو اس کا اثر اس کے ذہن پر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور ذہن جب ایک چیز پر آمادہ ہو گیا تو جسم تو اس کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے تم مسلم

ممالک کے تعلیمی نصاب کا جائزہ لو اور اس میں موجود جہاد و قتال سے متعلق تمام تر مواد کو نکال باہر کرو۔ یوں ان کے دل سے جہاد کا جذبہ جاتا رہے گا۔

4۔ جہاد کی بدنامی

گو کہ لوگوں کو شجر سے کچھ غرض نہیں ہوتی وہ تو پھل کا رنگ و ذائقہ دیکھتے ہیں لیکن جب شجر کو ہی پروان نہ چڑھنے دیا گیا ہو تو ایسے میں پھل کے رنگ و ذائقے سے کیسے آشنائی۔ جب پھل کے رنگ و ذائقے سے لوگ نا آشنا ہوں تو ایسے میں شجر کو زہر بردار ٹھہرانا آسان ہے۔

یہاں یہی چال تم جہاد کے خلاف چلو۔ دورِ حاضر میں جہاد کا رنگ و ذائقہ دنیا نے دیکھا نہیں، ایسے میں تم جہاد کا شجر پروان نہ چڑھنے دو اور دوسری طرف اسے زہر بردار ٹھہراتے رہو۔ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے۔ تم جہاں کہیں جہاد کی فصل اگی دیکھو اسے زہریلی بوٹی (دہشتگردی) کا نام دے کر فوراً جلا ڈالو۔ فصل کے مالک (مسلمان) بھی تمھارے شکر گزار ٹھہریں گے کیونکہ وہ گمان کریں گے کہ تم ان کے خیر خواہ ہو اور ان کے کھیت کو بچاتے ہو۔ یوں سانپ بھی مرتے رہیں گے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔

5۔ جعلی جہادی تنظیموں کا قیام

دوست! جہاں بہت سی جہادی تنظیمیں لوگوں کو دین کے قیام کے لیے جمع کر رہی ہیں وہاں تم بھی چند جعلی جہادی تنظیمیں قائم کرو جن کا مقصد اپنی کاروائیوں سے جہاد کو بدنام کرنا ہو۔ ان کاروائیوں میں بے گناہ شہریوں کا قتل، عبادت گاہوں پر حملے، بھتہ اور زنا وغیرہ شامل کیے جا سکتے ہیں۔ یوں تم جلد ہی دیکھ لو گے کہ لوگوں کے اندر کیسے جہاد اور جہادی تنظیموں کے خلاف نفرت انگیز جذبات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

6۔خوارج

دوست! مسلمانوں میں چوتھے خلیفہ کے دور میں ایک شدت پسند فرقہ سامنے آیا جنھیں خوارج کا نام دیا گیا۔ بعد میں درباری علماء ظالم بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے دور کی جہادی و انقلابی تنظیموں کے خلاف خوارج کے فتوے لگاتے رہے ہیں۔ تم بھی جہادی تنظیموں کے خلاف یہ ہتھیار استعمال میں لا سکتے ہو۔ یہ وہ تیر ہے جو جہادی تنظیموں کی کمر توڑ کر رکھ دے گا کیونکہ اسلام پسند مسلمانوں کا دستِ شفقت بھی ان کے سر سے اٹھ جائے گا۔

7۔امن کا درس

مسلمانوں پر دہشتگردی کا اس قدر الزام لگاؤ کہ وہ اسلام کے پر امن ہونے کا پرچار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ایسے میں جہاد و قتال کا درس دینے والے پیشواؤں کی مقبولیت گھٹنے لگے گی۔ نتیجتاً مسلمان جہاد و قتال سے غافل ہو جائیں گے۔

سوالی: میرے آقا! آپ نے بہت عمدگی سے ردِ جہاد کے طریقوں کی وضاحت کر دی ہے۔ یقیناً ان پر عمل کر کے ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ میرے آقا! آپ کی گفتگو کا محور جہادی تنظیمیں ہی رہی ہیں؟ کیا ہمیں مسلم ممالک کی مسلح افواج سے کوئی خطرہ نہیں؟

شیطان: میرے دوست! فی الحال تمام تر مسلم حکمران، میرے عظیم دوستوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ وہ ان سے پوچھے بغیر کسی کام کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ پھر آخر افواج بھی تو انھی حکمرانوں کی ماتحت ہیں۔ ایسے میں فکر کس بات کی۔ اس کے علاوہ موجودہ دور کی اسلامی افواج جذبہ جہاد سے خالی ہیں۔ ان کی تمام تر محنتیں دنیا اور متاعِ دنیا کے حصول کے لیے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! اگر کسی اسلامی فوج کا سپہ سالار ایسا آجائے جو کہ جذبہ جہاد سے معمور ہو تو یقیناً وہ تو خطرے کا باعث بن سکتا ہے نا؟

شیطان: دوست! کیوں تو ناداں بنتا ہے۔ بھلا جس نے تیس سال ترکِ جہاد کا سبق پڑھا ہو، اچانک اس میں کیسے جذبہ جہاد ابھر کر سامنے آسکتا ہے۔ دور حاضر کا فوجی فقط شہرت، شجاعت اور دولت کے لیے لڑتا ہے جبکہ جہاد کا معنی تو خدا کی راہ میں لڑنا ہے۔ اسی بارے ایک اعرابی نے جب مسلمانوں کے نبی ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی غنیمت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے، دوسرا آدمی ناموری اور شہرت کے لیے لڑتا ہے، تیسرا آدمی جو اپنی شجاعت دکھانے کے لیے لڑتا ہے ان میں سے کون ہے جو اللہ کے راستے میں لڑنے والا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے وہی اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہے۔ (صحیح مسلم)

دوست! جان لے کہ اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے فقط چند جہادی تنظیمیں ہی لڑ رہی ہیں جن کے بارے میں، میں نے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔

سوالی: میرے آقا! کیا یہ ممکن ہے کہ مسلم ممالک میں مسلمانوں کو دو مخالف گروہوں میں تقسیم کر کے آمنے سامنے کیا جائے تاکہ وہ آپس میں ہی لڑتے رہیں اور ہماری طرف رخ کرنے کی انھیں فرصت ہی نہ ملے؟

شیطان: دوست! یہ بالکل ممکن ہے اور میدان بھی تیار ہے۔ ایک طرف مغرب نواز اسلامی افواج اور دوسری طرف جہادی تنظیمیں۔ ایک جماعت کو رد الفساد اور دوسری جماعت کو جذبہ جہاد کا جھنڈا تھما کر آمنے سامنے کر دو۔ یہ وہ جادوئی چھڑی ہے جو بے لڑے دشمن کو

ڈھیر کر دے گی۔ جہاں جہاد جمع جہاد ایک عظیم جماعت تمھارے مخالف آنی تھی وہاں جہاد جمع ردالفساد ایک راکھ کا ڈھیر ہے جو کہ تمھارا خاکِ پا بن جائے گا۔

سوالی: میرے آقا! مسلمانوں میں اکثر جہاد سے متعلق ایک بات زیرِ بحث رہتی ہے۔ ایک گروہ جہاد بالنفس کو افضل قرار دیتا ہے جبکہ دوسرا گروہ جہاد بالقتال کو۔ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے اور صحیح بات کون سی ہے؟

شیطان: دوست! جہاد بالنفس سے مراد اپنے نفس کو تمام تر خواہشوں کے برخلاف شریعت کا تابع کرنا ہے جبکہ جہاد بالقتال سے مراد شریعت کے حکموں کے مطابق اسلام دشمنوں سے جنگ کرنا۔ اس لیے جہاد بالنفس ایک سیڑھی ہے جس کے بغیر جہاد بالقتال تک پہنچنا مشکل ہے۔ یعنی جس کا نفس ہی شریعت کا تابع نہیں وہ شریعت کے لیے میدانِ جنگ میں اترنے پر کیسے راضی ہو گا۔ اس لیے جہاد بالنفس سب سے اہم جہاد ہے جبکہ کہ جہاد بالقتال سب سے افضل جہاد ہے۔ یہی صحیح بات ہے اور مسلمانوں میں اس پر اختلاف کم علمی کی وجہ سے ہے۔

ثقافت

سوالی: میرے آقا! ہر ملک اور معاشرے کے رسم ورواج اور ثقافتیں جدا جدا ہیں لیکن ایک بنیادی بات مشترک ہے کہ متعلقہ معاشرے کے لوگوں کی زندگیوں پر ان کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ لوگوں کا کھانا پینا، لباس، زبان، رہن سہن، الغرض ہر ہر معاملہ میں ثقافت اپنا اثر دکھاتی نظر آتی ہے۔ ایسے میں کسی بھی معاشرے میں طاغوتی افکار کو فروغ دینے کے لیے ہمارے پاس یہ بھی ایک قیمتی ہتھیار ہے۔ اس ہتھیار کو ہم کسے استعمال میں لاسکتے ہیں؟

شیطان: شاباش دوست! تو نے بہت اہم نقطے کی طرف توجہ دلائی ہے اور یقیناً یہ ایک بہت مؤثر ہتھیار ہے۔ جہاں تک مغربی ثقافت کا معاملہ ہے تو وہ تو عین میری تعلیمات کے مطابق ہے اور اس کے لیے میں تمام تر دوستوں سے انتہائی خوش ہوں۔ کیونکہ یہ تمھاری ہی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے اور اسی محنت کا اثر ہے کہ تم آج میرے قرب کے مستحق ٹھہرے۔ اس میں اب مزید کاوش کی یہ ضرورت ہے کہ اسے تمام تر دنیامیں فروغ دیا جائے۔ اسکے لیے درج ذیل ذرائع کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے:-

1۔انٹرنیٹ

یہ جدید دور کا وہ کرشمہ ہے جس نے دنیا کو ایک گلوبل ویلج کے روپ میں ڈھال دیا ہے۔ جیسے ایک گاؤں میں مقیم لوگ پورے گاؤں کی خبر خبر سے واقف ہوتے ہیں اسی طرح انٹرنیٹ سے منسلک لوگ دنیا بھر کے حالات و واقعات دیکھتے اور جانتے ہیں۔ اس موقع کا فائدہ

اٹھاتے ہوئے تم مغربی ثقافت یعنی لباس، زبان اور رہن سہن وغیرہ لوگوں کو مزین کر کے بار بار دکھاؤ۔ پھر ذہن جب کسی شے کو بار بار دیکھتے ہیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی اثر قبول کرنے لگتے ہیں۔ تم انھیں یوں ٹارگٹ کرو کہ تمھاری زبان بولنے میں وہ ایک دوسرے پر فخر کریں اور اپنی زبان کو کم تر جاننے لگیں۔ انھیں چست لباس اور نیم برہنہ عورتیں دکھاؤ تاکہ ان کے اندر بھی عملی زندگی میں ایسی عورتیں دیکھنے کی خواہش انگڑائی لے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی بے لباسی پر ابھارو۔ اسی طرح مغربی معاشرے کی دیگر برائیاں بھی انھیں مزین کر کے پیش کرو۔ یوں یہ ہتھیار مغربی ثقافت کے فروغ میں کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

2۔ بین الاقوامی ادارے

بظاہر تو یہ ادارے تمام دنیا کی نمائندگی کرتے ہیں مگر حقیقتاً تو تمھارے ہی اشاروں پر رقص کرتے ہیں۔ تم ان کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنی ثقافت کو دنیا کے لیے معیار بناؤ تاکہ لوگوں کے لیے اس کی پیروی مجبوری بن جائے۔

3۔ فلاحی تنظیمیں

انسان کے خمیر میں خدا نے فلاح و بہبود کا جذبہ رکھا ہے سو اس جذبے کے تحت جڑنے والے لوگوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرو۔ اس کے علاوہ کچھ تنظیمیں تیار ہی اسی مقصد کے لیے کرو اور فلاح کے نام پر ان کو مختلف ممالک میں بھیجو۔ تاکہ وہ ان ملکوں میں ایسے لوگ تیار کریں جو کہ تمھاری ثقافت کے گن گائیں۔

سوالی: میرے آقا! زبان تو ایک دوسرے سے بات چیز کا ذریعہ ہے۔ باطل افکار کے فروغ میں اس کا کیا کردار ہو سکتا ہے؟

شیطان: دوست !اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زبان ایک دوسرے سے بات چیز کا ذریعہ ہے مگر جب تم اسے بین الاقوامی زبان کا درجہ دے دیتے ہو تو اس کا سیکھنا لوگوں کی مجبوری بن جاتا ہے۔ اور جو سیکھ لیتے ہیں وہ دوسروں پر فخر کرتے ہیں اور دوسرے احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ یوں معاشرے کے اندر مختلف طبقات تشکیل پانا شروع ہو جاتے ہیں اور نا اتفاقی کی فضا پروان چڑھنے لگتی ہے۔ دوسرا یہ کہ جب پوری دنیا تمھاری زبان جاننے لگتی ہے تو ان میں من چاہی افکار کو پھیلانا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی زبان سے بھی غافل ہونے لگتے ہیں جس سے ان کی ثقافت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً مسلمانوں کو انگریزی زبان کا نشہ پلا کر قرآنی زبان سے غافل کیا جاسکتا ہے۔ نتیجتاً یہ غفلت انھیں اسلامی فن وادب سے محروم کر دے گی اور مغربی تہذیب کے لیے راہیں ہموار ہو جائیں گی۔

سوالی: میرے آقا! مسلمان تو اب مانند غبارِ راہ ہیں۔ ان کے جسموں میں جان ہے نہ قلوب میں نورِ ایمان ہے۔ وہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہیں جنھیں ہمارے وفادار گڈریے سنبھالے ہوئے ہیں۔ ایسے میں ہمیں ان پر مزید وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

شیطان: (شدید غصے میں) تیری عقل کو جانچنے میں مجھ سے خطا ہوئی ہے ورنہ تو اس قابل نہ تھا کہ تجھے عہدہ و مقام دیا جاتا۔ تیری ہلاکت ہو۔ مجھے آج اگر کسی سے خطرہ ہے تو فقط مسلمانوں سے، مسلمانوں سے اور مسلمانوں سے۔ مجھے تقریباً پندرہ صدیاں بیت گئیں ہیں ان پر محنت کرتے مگر ہر صدی میں ایسے قائدین و مجاہدین ابھر کر سامنے آتے ہیں کہ میری تمام ترکاوشوں کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ غزوہ بدر سے لے کر معرکہ افغانستان تک ہر میدان میں تمام تر برتری کے باوجود میری فوجوں کو شکست ہوئی۔ میں کیسے مان لوں کہ مسلمان مانندِ

غبارِ راہ ہیں حلانکہ اس دور میں بھی ان میں اقبال و مودودی جیسے مفکر اور ملا عمر جیسے مجاہد موجود ہیں۔ ان کے دلوں میں اقبال، مودودی، ابو الکلام آزاد، ڈاکٹر اسرار، سید قطب، ملا عمر، اسامہ بن لادن، خادم رضوی، حافظ سعید اور مسعود اظہر جیسے لوگوں نے ایسی آگ بھڑکائی ہے جو بہت جلد تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے والی ہے۔ میں کیسے اس حقیقت سے آنکھیں موندھ لوں۔ میری فوجوں کی شکست اب لکھی جاچکی ہے۔ مگر میرے پاس جب تک مہلت باقی ہے اپنی کاوش جاری رکھے ہوئے ہوں اور میرے دوستوں پر بھی یہی لازم ہے کہ آخری خون کے قطرے تک لڑیں۔

سوالی: میرے آقا! میں اپنی نادانی پر نادم ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ در حقیقت جو میں دیکھتا ہوں تو مسلمان اسلامی اقدار سے بیزار اور مغربی رواجوں میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ ان میں اپنے آباؤ اجداد کی سی رمق باقی نہیں۔ ان کی جمیعت کا چہرہ فرقوں کی گرد سے زرد ہے۔ دنیا پرستی نے جنگ و جہاد سے ان کے قدم روک لیے ہیں۔ ایسے میں سوائے ان کی ذلت کے مجھے کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ مگر آپ صاحبِ علم و حکمت ہیں اور آپ نے امتوں کو بنتے اور بکھرتے دیکھا، اس لیے آپ کا تجزیہ بلاشبہ درست ہے۔ مگر اب ہم مغربی رسم و رواج کو رکاوٹ کیسے بنائیں اس سیلاب کے گرداگرد؟

شیطان: میرے دوست! انسان کی یہ فطرت ہے کہ اس کا جی ہر نئی چیز کی طرف جھکتا ہے چاہے وہ ضرر انگیز ہو یا سود مند۔ اس لیے انسان کو ضرر انگیز چیزوں سے محفوظ رکھنے اور سود مند چیزوں کی رغبت دلانے کے لیے خدا نے شریعت اتاری۔ یہ شریعت ایک مسلمان کا

اصل ہتھیار ہے۔ تم اسے مغربی ثقافت کی زلف کا اسیر بنا کر شریعت سے غافل کر دو۔ جب وہ شریعت سے غافل ہو گا تو سوائے ہلاکت کے اسکا کوئی انجام نہیں ہو سکتا۔

سوالی: میرے آقا! اسے مغربی ثقافت کی زلف کا اسیر کیسے بنائیں؟

شیطان: دوست! جدید دور کے تمام تر ذرائع ابلاغ کو استعمال میں لاتے ہوئے مغربی ثقافت کو مزین کر کے پیش کرو۔ لوگ اس کی طرف جھکتے چلے جائیں گے اور تمھارے لیے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ اگر شریعت رکاوٹ بننے لگے تو زر خرید ملاؤں کے فتوؤں سے اسے منہدم کر دو۔

عورت کی آزادی

سوال: اسلام عورت پر بہت سی ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن سے مرد مستثنیٰ ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے اور ہم کیسے مسلمان عورتوں کو آزادی کے حصول کے لیے ابھار سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! عورت پر پابندیوں کا مقصد، اس کی عزت و آبرو کو بچانا اور مرد کو فتنوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ عورت کو بغاوت پر اکسانے کے لیے یہ احساس دلانا ہو گا کہ تمام تر پابندیاں، اسے غلام بنائے رکھنے کی خاطر ہیں اور مرد کو حریف کے طور پر پیش کرنا ہو گا۔ اس کے لیے تجھے درج ذیل کاوشوں کی ضرورت ہو گی:-

1۔ حقوق نسواں کی تحریک

دوست! عورت کی آزادی کے نام پر تجھے ہر سطح پر تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے تم مختلف ریلیاں نکالو، خواتین کے خود ساختہ مسائل کو نشر کرو، مردوں کے مظالم کو تنقید کا نشانہ بناؤ۔ تمھارا یہ رویہ سادہ لوح خواتین کو اپنی طرف مائل کرے گا اور وہ تمھاری تحریک کا حصہ بنتی جائیں گیں۔ پھر انہی خواتین کے ذریعے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو تنقید کا نشانہ بناؤ۔ یہ تنقید ایک نظریے کی صورت اختیار کر لے گی اور عام لوگ بھی اسلامی تعلیمات پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دیں گے۔ یہ تحریک اگر کامیاب ہو گئی تو اسلام کی بنیادیں ضرور ہلا کر رکھ دے گی اور عام لوگ شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں گے۔ نتیجتاً گھر گھر میں مرد و عورت کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی اور خاندانی نظام کمزور پڑ جائے گا۔

2۔ فلمیں اور ڈرامیں

اس موضوع پر فلموں اور ڈراموں کو پروموٹ کرو۔ خاص کر مسلم ممالک میں ایسے لوگ تلاش کرو جو تمھارے لیے کام کرنے پر راضی ہوں۔ انھیں مالی امداد بھی دو اور ان کی فلموں کو ملکی اور عالمی سطح پر خوب سراہو اور انھیں انعامات سے نوازو۔ لوگ جب ایسی فلمیں اور ڈرامیں روز بروز دیکھیں گے تو عورت کی آزادی ان کی سوچ کا حصہ بن جائے گی اور انھیں یہ محسوس ہونے لگے گا کہ اسلام نے عورت کے ساتھ واقعی امتیازی سلوک کیا ہے۔

3۔ عورت کا لباس

دوست! عورت کا اصل زیور اسکی حیا اور پردہ ہے۔ آزادی کے نام پر اسے اس خزانے سے بھی محروم کرنا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اسلامی تعلیمات کی غلط تشریحات کو عام کرو جن میں پردے کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہو۔ اس کے لیے تم جعلی علماء کی مدد بھی لے سکتے ہو جو تمھاری منشا کے مطابق فتوے جاری کریں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیں۔ اس کے علاوہ مغربی لباس کو بھی لوگوں میں عام کرو تا کہ وہ اس کے دیکھنے اور پہننے کے عادی ہو جائیں۔ ایسی کیفیت میں مرد کی شہوت بے لگام ہو گی اور عورت بے آبرو سرعام ہو گی۔

4۔ گھر کے کام کاج

دوست! عورت کو یہ بات بھی باور کراؤ کہ گھر کے جو کام عموماً عورت کرتی ہے وہ اس کی ذمہ داری میں شامل نہیں بلکہ مرد کی طرف سے ظلماً عائد کردہ ہیں۔ اس سے بھی خاندانی نظام کو زبردست ٹھیس پہنچے گی کیونکہ ایک عام مرد کے لیے ممکن نہیں کہ وہ دن بھر بازار میں محنت

ومشقت کرے اور شام کو گھر آکر کھانا بھی خود بنائے اور دیگر گھر کے کام بھی خود کرے۔
عورت کہ یہ آزادی، خاندان کی بربادی کی ضامن ہو گی۔

5۔**نوکری کا حق**

حقوقِ نسواں کے نام پر عورتوں کو نوکری کے مواقع فراہم کرو اور انھیں دلکش تنخواہیں اور مراعات بھی پیش کرو۔ اس سے تم کئی اہداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گے۔ مثلاً بد نظری، غیر شرعی تعلقات اور میاں بیوی میں بے اعتمادی وغیرہ۔ جب یہ راستہ کھل جائے گا پھر تم خود دیکھو کہ بہت سی کاروباری کمپنیاں گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لیے مردوں کی بجائے عورتوں کو ترجیح دیں گیں۔ اس سے اگلے مرحلے میں عورتوں کے مابین بے لباسی کا مقابلہ شروع ہو جائے گا اور جو عورت جس قدر اپنا جسم کھولے گی اسے اسی قدر ترجیح دی جائی گی کیونکہ کاروباری مراکز کا مقصد تو گاہکوں کو متوجہ کرنا ہوتا ہے اور بے حیائی کا یہ نہ تھمنے والا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

پس تم حقوقِ نسواں کے نام پر عورت کو گھر سے باہر نکالو۔

سوالی: میرے آقا! کیا کسی ملک کے لیے یہ خوش آئند بات نہیں ہے کہ ان کی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کریں؟

شیطان: دوست! ایسا اس صورت میں ہوتا اگر انسان کو مال وزر جمع کرنے کے واسطے پیدا کیا گیا ہوتا۔ انسان کا مقصد جب خدا کی عبادت ہے تو پھر جس جس صورت میں وہ اس کی عبدیت سے نکلے گا نافرمانی کا مرتکب ہو گا اور مقصد میں ناکام ٹھہرے گا۔

سوالی: اگر عورت خدا کے حکموں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کام کرے تو یہ کیا جائز نہ ہو گا؟

شیطان: دوست! بالکل جائز ہو گا مگر دورِ حاضر میں یہ تقریباًناممکن سی بات ہے۔ میرے اولیاء نے دنیا کو ایسے معیارات نوازے ہیں کہ ایک عورت جب تک خدا کے حکموں کو پامال نہ کرے گی، کام کاج کے مواقع نہ پائے گی۔ اس لیے تم عورتوں کو کسی بہانے گھر سے نکالو، آگے تمام تر انتظامات مکمل ہیں۔ ایک عورت جس کا روز غیر مردوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور کام کاج ہو گا، کیا وہ خدا کے حکموں کو مد نظر رکھ پائے گی اور کیا مرد اپنے جذبات کو لگام دے پائیں گے؟ پھر جب کمپنیاں عورتوں کو بھرتی ہی اس لیے کر رہی ہوں تاکہ گاہکوں کو متوجہ کریں تو ایسی صورت میں خدا کے حکموں کی کہاں جگہ رہتی ہے۔

سوالی: میرے آقا: اس میں خدا کی نافرمانی بالکل واضح ہے، ایسے میں کسی عورت کو کیسے اس کام کے لیے راضی کیا جاسکتا ہے؟

شیطان: دوست! جب خواہشاتِ نفس انسان پر غالب آجاتی ہیں تو وہ خدا کے حکموں کو دیکھنے سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اسے نفس کی پیروی میں ہی راہِ راست نظر آرہی ہوتی ہے۔ عورت کو تم خواہشات کے غلبے کے ذریعے گھر سے نکال سکتے ہو۔

سوالی: عموماً عورت میں کون کون سی خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، جن پر مزید محنت کی جائے؟

شیطان: خواہشات میں امیر ہونے کی خواہش، عمدہ کھانوں کی چاہت، قیمتی لباس کی آرزو اور دوسروں پر برتری کی تمنا وغیرہ شامل ہیں۔ تمھارا کام یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا کرو جس میں خواہشات کی تکمیل کو لوگ کامیابی تصور کرتے ہوں اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر کرتے ہوں۔ خواہشات خود بخود انکا پیچھا کریں گیں۔

سوالی: میرے آقا! جو فرد اور ادارے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورت کی آزادی کے خلاف آواز اٹھارہے ہیں، انھیں کیسے خاموش کیا جائے؟

شیطان: دوست! اس دور میں ہمارے لیے یہ کوئی زیادہ پریشان کن مسئلہ نہیں ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا ہمارے کنٹرول میں ہے، تمام ملکوں کے سربراہ ہمارے در کے گدا ہیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ہمارے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔

میڈیا پر ایسی آوازوں کو نشر کرنے پر پابندی لگوادو اور اگر ضرورت پڑے تو ملکی سربراہوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بھی مدد حاصل کر لو۔ اس کے علاوہ ایسے لوگوں کو زرخرید اینکرز، تجزیہ نگاروں، علماء اور دیگر معروف شخصیات کے ذریعے تنقید کا نشانہ بناؤ۔ ایسی آوازیں اپنی موت آپ مر جائیں گیں۔

سوالی: میرے آقا! مسلمانوں کو یہی پڑھایا جاتا ہے کہ خدا کسی سے ذرا برابر ظلم نہیں کرتا۔ کیا عورت پر اس قدر پابندیاں ظلم نہیں ہے؟

شیطان: دوست! عورت پر یہ پابندیاں دراصل اس کی حفاظت کے لیے ہیں۔ تو دیکھتا نہیں کہ دنیا بھر میں روز خواتین کس طرح جنسی درندگی کا نشانہ بن رہی ہیں۔ عورت پر خدا کی یہ پابندیاں صرف انصاف پر ہی مبنی نہیں بلکہ رحمت بھی ہیں۔ جیسے ماں ناسمجھ بچے کو آگ میں ہاتھ ڈالنے سے روکتی ہے، اسے دنیا کا کوئی قانون یا سماج ظلم نہیں کہتا کیوں کہ اس کی حقیقت سب کے سامنے ہے۔ خدا کے معاملے میں کم فہمی کی وجہ سے لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! آپ کے علم وحکمت کا مقابلہ شاید مسلم بلند پایہ عالم بھی نہ کر سکیں؟

شیطان: دوست! تو ٹھیک کہتا ہے۔ بس تکبر مجھے لے ڈوبا۔

مگر میں تمھاری مدد کے لیے حاضر ہوں۔ عورت کی آزادی بارے جو تدبیریں تم سے بیان کی ہیں، ان کو عملی جامہ پہناؤ تاکہ مسلمانوں کو مزید فتنوں میں مبتلا کیا جاسکے۔

بے حیائی

سوالی: انسان کے پاس حیا ہی وہ تیشہ ہے جو اسکے لیے جنت کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس سے اگر وہ محروم ہو جائے تو منہ کے بل گرنا اس کا مقدر ہو جاتا ہے اور جہنم اس کا ٹھکانہ ٹھہرتی ہے۔ حیا کی گراں قدری کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کے نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے اگلے پیغمبروں کے کلام جو پائے ان میں یہ بھی ہے کہ جب تجھ میں حیاء نہ ہو تو پھر جو جی چاہے کر۔" (صحیح البخاری-3483) یعنی جس شخص کے ہاتھ سے یہ خزانہ نکل گیا اس کے بعد اس کی کوئی کاوش کارآمد نہیں۔

میرے آقا! حیا جب اس قدر انمول خزانہ ہے تو نسلِ انسان سے اسے کیسے لوٹا جائے؟

شیطان: میرے دوست! بلاشبہ حیا صراط مستقیم کے مسافروں کا سب سے قیمتی زادِ راہ ہے۔ جیسے انسانی زندگی کا بقا ہوا اور پانی کے بغیر ممکن نہیں ایسے ہی ایمان کا بچاؤ حیا کے بغیر ممکن نہیں۔ اس خزانے کو چرانے کے تدبیریں ہر دور میں مختلف رہی ہیں۔ موجودہ دور کی تدبیریں درج ذیل ہیں:-

1۔ **تعلیمی نظام**

تعلیمی درسگاہیں وہ دکانیں ہیں جہاں تقریباً ہر خاص و عام اس عمر میں آتا ہے جب اس کا پیمانہ شعور خالی ہوتا ہے۔ اس میں جو بھی شربت انڈیلا جائے بلا جھجک قبول کر لیتا ہے۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے تمھیں اپنا جال پھینکنا چاہیے۔ تم انھیں ایسا مواد پڑھاؤ اور دکھاؤ کہ ان

کے اندر فطری طور پر موجود حیا جاتی رہے۔ ان کے اندر ایسی سوچ کو پروان چڑھاؤ جو کسی خدائی قانون کی پابند نہ ہو۔ انھیں خواہشات و شہوات کی پیروی کا خوگر بناؤ۔ ان کے لیے ایسی سرگرمیوں کا انعقاد کرو جو انھیں بے باکی سکھائیں۔ ایسی تمام تر تدبیریں جب تم کر لو گے تو جلد ہی ان کے نتائج بھی دیکھ لو گے۔ تم دیکھ لو گے کہ وہ مرد و عورت اور بہن و بیوی میں فرق نہ کریں گے، حیوانوں کی طرح اپنی شہوت پوری کریں گے۔ اپنی سیاہکاریوں کو چھپانے کی بجائے فخر سے بیان کرنے لگیں گے۔ جب اس مقام پر پہنچ جائیں تو وہ اس جنگ میں تمھارے سپاہی ہیں اور بے حیائی پھیلانے کے لیے انھیں صف آرا کرو۔

2۔ عورتوں کے حقوق

آسمانی ادیان میں تجھے یہ بات ملے گی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ گو کہ یہ فوقیت حکمت پر مبنی ہے کیونکہ خدا نے عورت کو مرد کی بنسبت کچھ جسمانی اور روحانی صلاحتیں کم دیں ہیں جن کی بنا پر وہ بیت و وطن کی سربراہ نہیں بن سکتی۔ مگر تم عورتوں میں یہ احساس اجاگر کرو کہ یہ قانون ظلم پر مبنی ہے اور حقوقِ نسواں پر تحریکیں چلاؤ اور تنظیمیں بناؤ۔ ان میں تمھارا اصل مقصد بے حیائی کو فروغ دینا ہو مگر کچھ حصہ حقوق نسواں کا بھی رکھو تا کہ تمھارے خلاف اٹھنے والوں کو کوئی مضبوط جواز نہ مل سکے۔

3۔ فلمیں اور ڈرامے

دوست! کسی بھی معاشرے عملی طور پر جا کر کام کرنا قدرے مشکل ہے بنسبت فلموں اور ڈراموں کے۔ سو تم ایسی فلمیں اور ڈرامے بناؤ جو بے لباسی، جنسی کج روی اور بے باکی کو فروغ دیں۔ اور اپنی زرخرید حکومتوں کے ذریعے مہذب معاشروں میں انھیں عام کرو۔ جب ایک

مرد فلموں اور ڈراموں میں روز روز بے لباس عورتوں کو دیکھے گا تو اسکا نفس یہ تمنا کرے گا کہ وہ عملی زندگی میں بھی ایسی عورتیں دیکھے۔ دوسری طرف جب عورت مرد کی آنکھوں میں یہ طلب دیکھے گی تو خود کو بے لباس کرلے گی کیونکہ وہ تو چاہتی ہے کہ اسے پسند کیا جائے چاہے حجاب میں ہو یا بے حجابی میں۔

اس کے علاوہ ان ڈراموں اور فلموں میں انھیں یہ بھی دیکھاؤ کہ بھائی بہن کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کررہا ہے، بیٹا ماں کہ ساتھ، باپ بیٹی کے ساتھ، عورت عورت کے ساتھ اور مرد مرد کے ساتھ۔ جب ایسی جھلکیاں روز روز دیکھیں گے تو ان کے شعور میں شریعت کی کھڑی کی گئی نازک دیواریں منہدم ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اور وہ اپنی شہوت کی آگ حرمت والے چشموں سے بھی بجھانے میں نہ شرمائیں گے۔ پھر تم دیکھو گے کہ اس طرح کے جرائم دن بدن بڑھتے جائیں گے اور لوگ اس کے عادی ہوتے جائیں گے۔ اے دوست! ان کی یہ عادت تمھاری کامیابی اور میرے تقرب کی نوید ہو گی۔

دوسرا مہذب معاشروں میں اس طرز پر بننے والی فلموں کو بین الاقوامی سطح پر ایوارڈز سے نوازو تاکہ انکی حوصلہ افزائی ہو اور وہ مزید ایسی فلمیں بنائیں کیونکہ کسی بھی معاشرے میں کوئی غیر ملکی فلم اتنی مؤثر نہیں ہو سکتی جتنی ان کے ملک میں بننے والی فلم مؤثر ہو سکتی ہے۔

4۔ پرنٹ میڈیا

اے دوست! تمھارا یہ مقصد ہونا چاہے کہ معاشرے کا کوئی بھی طبقہ تمھاری وار سے محفوظ نہ رہے۔ ہر معاشرے میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو الیکٹرونک میڈیا کی بجائے پرنٹ میڈیا سے مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اخبارات میں ایسی خبریں، تصویریں اور

کہانیاں وغیرہ شائع کرو جو انکی حیا کو متاثر کر سکیں۔ اس کے علاوہ انھیں ایسی کتابیں اور ناول بھی مہیا کرو جو کہ ایسی داستانوں پر مبنی ہوں۔ تم ان میں بھی بہت جلد تبدیلی آتی دیکھ لو گے۔

5۔ **بے حساب کھانا**

خدا نے خوراک کو انسان کے لیے ایندھن بنایا ہے جس کے ذریعے اس کے اندر کام کاج کرنے کی قوت قائم رہتی ہے۔ اور ان میں ذائقے اور لذت اس لیے رکھی تا کہ انسان اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرے وگرنہ مقصد صرف توانائی ہی ہے۔ تم مختلف تدبیروں کے ذریعے لوگوں کو کھانوں کی لذتوں میں ڈال دو۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہ ضرورت سے زیادہ کھانے لگیں گے۔ جب زیادہ کھانے لگیں گے تو ان کے اندر شہوت کی آگ زور پکڑنے لگے گی اور اتنی بڑھ جائے گی کہ حلال چشموں سے نہ بجھ سکے گی اور پھر حرمت والے چشموں کا رخ کرنا لوگوں کی مجبوری بن جائے گی۔

6۔ **شادی میں تاخیر**

دوست! شادی بیاہ سے متعلق ایسے رسم ورواج کو عام کرو جن سے خرچ بڑھتا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ شادی کے لیے پیسے جمع کرنے میں لوگوں کی آدھی عمریں گزر جائیں گیں اور تب تک وہ کئی حرمت والی وادیوں کی سیر کر چکے ہوں گے الاماشااللہ۔ کیونکہ تم ایک مشکیزے میں مسلسل تیس چالیس برس تک پانی بھرتے جاؤ اور اسکو استعمال میں بھی نہ لاؤ تو یقیناً وہ بے ضرورت بہنے لگے گا اور ارد گرد خرابی پیدا کر دے گا۔ گو کہ اسلام میں اس مسئلہ کا بھی توڑ ہے لیکن لوگ غفلت کی وجہ سے اس دوا سے دور رہتے ہیں۔ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اور جو کوئی نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ

اس کی خواہشات نفسانی کو توڑ دے گا۔" (صحیح البخاری) ایسے میں جب ان کی شادی بھی نہیں ہو گی اور روزوں سے بھی گریز کریں گے تو انھیں بے حیائی کے کاموں میں لگانا انتہائی آسان ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ نوجوانوں میں یہ بات بھی عام کر دو کہ اس کا گناہ ان کے والدین کو ہو گا جو ان کی شادی میں تاخیر کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، بالغ ہونے پر اس کی شادی کرے، اگر شادی نہیں کی اور اولاد نے کوئی گناہ کر لیا تو باپ اس جرم میں شریک ہو گا اور گناہ گار ہو گا۔" (مشکاۃ المصابیح) یوں نوجوان برائی میں مزید دلیر ہو جائیں گے اور تمھارے لیے بے حیائی کا پھیلانا مزید آسان ہو جائے گا۔

سوالی: میرے آقا! آپ نے بہت مفید مشورے دیے ہیں۔ ہم جلد ہی ان پر کام شروع کریں گے۔ مگر اس میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہر معاشرے میں کچھ باغی عناصر ہوتے ہیں جو کہ مخالف نظام کو قبول نہیں کرتے اور لوگوں کو بھی اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کیسے نمٹا جائے؟

شیطان: دوست! تو نے بہت ہی اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس میں ہماری راہ کی رکاوٹ صرف اسلامی بنیاد پرست ہیں۔ جہاں تک باقی مذاہب کا تعلق ہے تو ان کے مذہبی پیشوا کب کے اپنا اثر ورسوخ کھو چکے ہیں۔ اس معاملے میں اسلامی بنیاد پرستوں سے نمٹنے کے ذرائع درج ذیل ہیں:۔

1۔ علماء تیار کرو

دوست! یہ دو چار دن کی جنگ نہیں ہے بلکہ صدیوں پر محیط ہے۔ تم ایسے علماء تیار کرو جو اسلام

کی ایسی تشریح کریں جو عوام کو بھی قبول ہو اور تمھاری راہ میں رکاوٹ بھی نہ بنے۔ مثلاً عورتوں کا کھیل کود میں شریک ہونا، فلموں ڈراموں میں کام کرنا، نوکری کرنا، نامحرم سے بات چیت، گانا بجانا اور دیگر سرگرمیوں میں شریک ہونے کی آزادی وغیرہ۔ پھر اس موقف کو لوگوں میں عام کرو۔ یوں اسلام کی اصل تشریح کرنے والے گمنام اور انکی بغاوت ناکام ہو جائے گی۔

2۔ علماء کو خریدو

تم مسلمانوں میں دیکھو کہ کون سے عالم میں جو اسلام کی تشریح تمھارے موقف کے مطابق کرتے ہیں۔ انھیں براہِ راست دنیوی لالچ دے کر خریدو یا اپنی وفادار حکومتوں کے ذریعے انھیں اعزازات سے نوازو۔ پھر تم دیکھو گے کہ جن باتوں میں وہ تمھارے نظام سے اختلاف رکھتے تھے اس سے بھی رجوع کر لیں گے۔ تم ان سے بنیاد پرست مسلمانوں کے خلاف فتوے بھی دلوا سکتے ہو۔

3۔ بنیاد پرستوں کو بدنام کرو

دوست: کوئی انسان خطا سے پاک نہیں ہے۔ تم اسلامی بنیاد پرستوں پر نگاہ رکھو اور ان سے سے سرزد ہونے والی لغزشوں کو لوگوں میں عام کرو۔ اس کے لیے تمام تر ذرائع ابلاغ کو استعمال میں لاؤ۔ یوں لوگ ان سے نفرت کرنے لگیں گے اور نتیجتاً اسلام کی اصل تشریح کو بھی رد کر دیں گے۔ بالآخر وہ تمھارے زرخرید علماء کی بات سننے اور ماننے لگیں گے۔

4۔ خیر کو چھپاؤ

دوست! تم نے ہر میدان میں دیکھ لیا کہ آخرت پر یقین رکھنے والے کیسے انسان دوست

ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں اکثر فلاحی تنظیمیں اسلامی بنیاد پرست چلا رہے ہیں ۔ صدقہ و خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو اپنا تن من لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں لوگوں کو ان کے خلاف اکسانا انتہائی مشکل کام ہے۔ سو تم الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر اس بارے میں پابندی عائد کر دو کہ وہ اسلامی بنیاد پرستوں کی کوئی اچھی خبر نشر نہ کریں۔یوں تمھارے لیے لوگوں میں انھیں غیر مقبول کرنا آسان ہو جائے گا۔

شیطان: دوست! تم گھبراؤ نہیں۔ایک طرف سے اپنے کام کی ابتدا کرو۔ میری مدد اور رہنمائی قدم قدم تمھارے ساتھ ہے۔

زناکاری

سوالی: میرے آقا! خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اسکے جوڑے بنائے تا کہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں۔ مگر جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں انسان نے شہوت پرستی میں خدا کے اس قانون کو توڑا ہے جس کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ ایسے میں انسان کو حکم اللہ کی مخالفت پر ابھارنے کا ہمارے پاس یہ ایک بڑا دلکش ذریعہ ہے۔ میرے آقا! اسے ہم کیسے استعمال میں لا سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! تو نے درست فرمایا۔ یہ ایک عمدہ جال ہے جس سے لوگوں کی کثیر تعداد کو جہنم کے لیے پھانسا جا سکتا ہے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ تو انسان کے اندر موجود شہوتِ جماع کو سمجھے تا کہ کارآمد جال تیار کر سکے۔ نسلِ انسانیت کو بڑھانے کے لیے خدا نے انسان کے اندر ایک مادہ رکھا جو خوراک سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک جنس کا مادہ جب دوسری مخالف جنس سے ملتا ہے تو اس سے انسان کی پیدائش کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اور اس عمل میں خدا نے انسان کے لیے سکون اور کشش بھی رکھ دی تا کہ یہ اس کے لیے مشقت کا موجب نہ بن جائے۔ جب انسان خوراک کھاتا رہتا ہے تو یہ مادہ خود بخود تیار ہوتا رہتا ہے اور اپنی جبلت کے مطابق انسان کے اندر جماع کی خواہش کو ابھارتا ہے اور انسان اس خواہش کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ ڈھونڈتا ہے۔ ایسے

میں پہلے تجھے محرکاتِ شہوت کو سمجھ لیناچاہیے تاکہ تو ان کی مدد سے انسان کے اندر خواہش کو طول دے سکے، جو کہ درج ذیل ہیں:-

1۔ خوراک

تجھے معلوم ہوناچاہیے کہ خوراک سے شہوت جنم لیتی ہے اس لیے مسلمانوں کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو نوجوان شادی نہ کر سکیں انھیں روزے رکھنے چاہیے کیونکہ روزے شہوت کو مٹادیتے ہیں۔

2۔ مخالف جنس

اب اس شہوت کو خارج کرنے کے لیے انسان کو مخالف جنس کی ضرورت ہے اور جماع کی نیت سے اسے سوچنا، دیکھنا، بولنا، سننا، پکڑنا اور اسکی طرف چل کر جانا شہوت کو طول دیتا ہے۔اسی لیے مسلمانوں کے نبی ﷺ نے ان تمام کاموں کو زنا قرار دیتے ہوئے فرمایا: آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، کان کا زنا سننا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے اور دل تمنا کرتا ہے پھر شرم گاہ اسکی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔(کنز العمال)

اب ان دونوں محرکات کو مؤثر طریقے سے استعمال میں لانے کا تجھے گُر سکھاتا ہوں تاکہ جہنم کے لیے کثیر تعداد تیار کی جاسکے۔

1۔ خوراک کی ہوس

دوست کھانے میں خدا نے لذت رکھ دی تاکہ انسان ضرورت کے مطابق اپنے جسم کو ایندھن مہیا کرتا رہے۔اور اس کے کچھ اصول وضوابط بھی بنادے تاکہ انسان نادانی میں کسی ہلاکت میں نہ پڑ جائے۔ مثلاً پیٹ بھر کر کھانے سے منع کر دیا یا کئی خوراکوں کا سرے

سے کھانا ہی منع کر دیا۔ ایسے میں تم جدید دور کی مشینری کو استعمال میں لاتے ہوئے نئے اور لذیذ کھانے مہیا کرو۔ دوسری طرف لوگوں کو اللہ کے حکموں سے غافل کرو۔

ایسے میں جب کھانوں کی عمدگی بڑھ جائے گی اور شریعت کا دستِ شفقت بھی اٹھ جائے گا تو تو دیکھے گا کہ لوگ کیسے جانوروں کی طرح کھانوں پر ٹوٹتے ہیں۔ پھر جب کھانا جانوروں کی طرح بے حساب کھانے لگیں گے تو شہوت بھی بے حساب پیدا ہو گی جو کہ حلال طریقوں سے پوری نہیں ہو سکے گی اور انسان زناکاری کی طرف جانے پر مجبور ہو جائے گا۔

2۔**بے لباسی**

دوست! فیشن کے نام پر عورتوں میں بے لباسی کو عام کرو اور پردے کو جہالت کی علامت بنا کر لوگوں کو اس سے متنفر کرو۔ پھر جب عورتیں اس حالت میں گھر سے نکلیں گیں تو ان کے ننگے جسموں کی حرارت آوارہ مردوں کے جذبات کو حرکت دے گی اور وہ موقع پاتے ہی ان پر شکاری کتوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔

3۔**اختلاط مردوزن**

آزادیِ نسواں کے نام پر عورتوں کو گھر سے باہر نکالو اور انھیں مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کرو۔ پھر جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ کام کریں گے تو یقیناً ایک دوسرے کو دیکھیں گے، سنیں گے، بات چیت اور معاملات کریں گے تو ان کی شہوت حرکت میں آئے گی۔ ایسے میں یا وہ زنا بالرضا کے مرتکب ہوں گے یا اگر کسی ایک کی شہوت حرکت میں آتی ہے تو وہ موقع پاتے ہی زنا بالجبر پر اتر آئے گا۔ تم بس عورت کو گھر سے باہر نکالو نتائج بہت جلد دیکھ لو گے۔

4۔**انٹرنیٹ کا استعمال**

دوست! تم انٹرنیٹ پر شہوت کو ابھارنے والا مواد مہیا کرواور لوگوں تک اس کی رسائی آسان کر دو۔ پھر جب وہ انٹرنیٹ پر یہ سب کچھ دیکھیں گے تو عملی زندگی میں بھی اس کی خواہش ان کے اندر انگڑائی لینے لگے گی اور وہ اسے پورا کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔

شیطان: دوست! انسان کو زنا کے جال میں پھانسنے کے چند اہم طریقے میں نے تجھ سے ذکر کر دیے ہیں۔ ان میں سے تو جس پر زیادہ محنت کرے گا؛ ہل چلائے گا، کھاد ڈالے گا اور پانی دے گا وہی کھیت زیادہ فصل دے گا۔

سوالی: آپ نے عمدہ نصیحت کی ہے اور ہم اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے ضرور استعمال میں لائیں گے۔ میرے آقا! معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو ان تمام حالات میں رہتے ہوئے اپنا دامن داغ دار نہیں ہونے دیتے۔ ان کی شہوت کو کیا چیز تھامے ہوئے ہے؟

شیطان: دوست! ان کی شہوت کے آگے دیوار شریعت ہے۔ اور شریعت کی رحمتوں میں سے ایک عظیم رحمت، اللہ کا ڈر ہے جو انسان کو کسی بھی گندگی میں منہ ڈالنے سے روکے رکھتا ہے۔ مگر تو بے فکر رہ۔ یہ گنتی کے چند لوگ ہیں جو کہ ہمارا لیے کوئی خاص رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

سوالی: میرے آقا! ان پر کہاں اضافی محنت کی ضرورت ہے؟

شیطان: دوست! تم انھیں اللہ کے خوف سے آزاد کرادو، اگلے لمحے انھیں گندگی میں منہ کے بل گرے پاؤ گے۔

سوالی: میرے آقا! اللہ کا خوف ان سے کیسے دور کریں؟

شیطان: دوست! انسان کی طبیعت گناہوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور اللہ کا خوف ان کے آگے دیوار بن جاتا ہے۔ ایسے میں تم ان لوگوں کے لیے خوف کی دیواد پر اللہ کی رحمت کی سیڑھی کھڑی کر دو۔ وہ اس سیڑھی کے سہارے شہوات کی گندگی میں گرتے جائیں گے اور تم اپنے مقصود کو پا لو گے۔

سوالی: میرے آقا! مسلمانوں کے اندر ایک بات زبان زدِ عام ہے کہ اللہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے۔ اور قرآن میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا کہا گیا ہے۔ اگر رحمت انسان کو گناہ کے لیے ابھارتی ہے تو پھر خدا نے اسے انسان سے پوشیدہ کیوں نہ رکھا تا کہ وہ گناہوں سے بچ جاتا؟

شیطان: دوست! تو خدا کے رازوں کی کھوج میں نہ پڑ، اپنا وقت ضائع کر دے گا۔ دراصل صراط مستقیم کے لیے غضب و رحمت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جو غضب سے غافل ہو گا معصیت کی طرف نکل جائے گا اور جو رحمت کو ترک کرے گا مایوسی اسے گھیر لے گی۔ اور جو رحمت سے مایوس ہو گیا وہ یا سرکش ہو جائے گا یا تارک الدنیا۔

سرکش کیوں ہو گا؟ اس کے لیے بنی اسرائیل کے اس نوجوان کی داستان سن جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" : تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا، جس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ اس نے پوچھا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چنانچہ اسے ایک راہب کے بارے میں بتایا گیا۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟

راہب نے کہا کہ نہیں) !اس کی توبہ قبول نہ ہو گی (تو اس نے اس راہب کو بھی مار ڈالا اور یوں سو (100) قتل پورے کر دیے۔

اور تارک الدنیا کیوں ہو گا؟ اس کے لیے مسلمانوں کے نبی ﷺ کا فرمان سن۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! اگر تم وہ کچھ جانتے ہوتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ، بستروں پر اپنی عورتوں سے لطف اندوز نہ ہو پاتے اور اللہ سے فریادیں کرتے ہوئے گلیوں چوراہوں میں نکل آتے"۔

آج کے دور میں ناممکن ہے کہ کسی میں اس قدر خدا خوفی پیدا ہو کہ وہ رحمت سے ناامید ہو کر سرکش ہو جائے یا دنیا ترک کر دے۔ ایسے میں تم لوگوں کو رحمتِ خدا کی امید دلا کر گمراہ کرتے رہو۔

ہم جنس پرستی

سوالی: میرے آقا! زناکاری کے جالوں میں سے ایک جال ہم جنس پرستی بھی ہے جسے آپ ہر دور میں انسانوں کو پھانسنے کے لیے استعمال میں لاتے رہے ہیں۔ دور حاضر کے انسان کو کیسے اس مہلک مرض میں مبتلا کیا جاسکتا ہے؟

شیطان: دوست! انسان جب شریعت کی وادی سے کوچ کر جاتا ہے تو قدم قدم پر خواہشات اس پر حملہ آور ہوتی ہیں اور بہت جلد اس پر غالب آجاتی ہیں۔ اس وقت انسان اس کیفیت میں چلا جاتا ہے جس کی عکاسی حدیث نبویؐ میں ملتی ہے کہ اگر ابنِ آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو، تو چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں اور اس کے منہ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ (صحیح مسلم)

ایسا انسان خواہشاتِ نفس کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اور میں اور میرے کارندے اس کی خواہشات کے موافق وسوسے ڈالتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ گناہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دوست! ہم جنس پرستی کو فروغ دینے کے لیے سب سے پہلے تجھے انسان کو شریعت سے بغاوت کے لیے ابھارنا ہے۔ جب وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے گا تو پھر وہ حکمِ نکاح کو بالائے طاق رکھ کر جنسی لذت کے حصول کے لیے ہر ممکنہ باغ کی سیر کرے گا۔ ایک وقت تک انسان مخالف جنس سے محظوظ ہوتا رہے گا، بعد ازاں اس کا جی بھر جائے گا اور نئے شاخ و شجر کی سیر کی آرزو کرنے لگے گا۔ ایسے میں میرے کارندے اس کے دل میں ہم جنس

سے تعلق کے وسوسے ڈالنے کو تیار ہوں گے مگر وہ تب ہی ہو سکے گا جب دنیا میں موجود میرے بندوں نے اپنا کام کیا ہو۔

سوالی: میرے آقا! حکم کیجیے، ہمارا کیا کام ہے؟

شیطان: دوست! میرا کوئی بھی وسوسہ تب کام کرتا ہے جب وہ انسان کی خواہشِ نفس کے عین مطابق ہو اور دوسرا اس لذت کے حصول میں انسان کے لیے کوئی بڑی رکاوٹ نہ ہو۔

ہم جنس پرستی کو انسان کی خواہشِ نفس کے مطابق بنانے کے لیے تجھے اسے مزین کر کے پیش کرنا ہے۔ اس کے لیے تو فلموں، ڈراموں، گانوں اور تمام اس طرح کے ذرائع کو استعمال میں لا۔ دوسرا فیشن کے نام پر مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت پر ابھار۔ ایسے میں جب ایک لڑکا، چہرے کے بال صاف کر کے اور بن سنور کے نکلے گا تو وہ مرد جس کا مخالف جنس سے دل بھر چکا تھا اور وہ کسی منفرد لذت کی تلاش میں تھا، اس کا نفس فوراً اس لڑکے کی طرف مائل ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں میرا وسوسہ اسکی شہوت کو مزید طول دے گا اور وہ اس قبیح فعل کے لیے پختہ عزم کر لے گا۔ اسی طرح عورت کا بھی معاملہ ہو سکتا ہے۔

اب جب دونوں کو اپنی خواہش کے مطابق بندہ مل گیا تو بس تمھیں آخری کام کرنا ہے اور وہ یہ کہ ان دونوں کے درمیان موجود رکاوٹوں کو ہٹانا ہے۔

سوالی: میرے آقا! ان رکاوٹوں کی وضاحت کر دیجیے۔

شیطان: دوست! عموماً ایسے معاملات میں دو بڑی رکاوٹیں ہوتی ہیں؛ ایک مذہبی اور دوسری سماجی۔ ان دونوں رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے تمھیں کافی محنت درکار ہو گی۔ تمھیں انسانی

حقوق کی تنظیموں کو متحرک کرنا ہو گا اور دوسرا لوگوں کے اندر لادینیت اور آزاد خیالی کو فروغ دینا ہو گا۔

جب یہ تمام کام تم کرلو گے پھر ہم جنس پرستی کے لیے راہیں ہموار ہو جائیں گیں اور جہنم کے لیے ایک اور وسیع شاہراہ تیار ہو جائے گی۔

سوالی: میرے آقا! انسان کی جسمانی ساخت ہم جنس کے ساتھ جسمانی تعلق کی موافق نہیں۔ ایسے میں اس کے لیے لوگوں کو کیسے آمادہ کیا جاسکتا ہے؟

شیطان: دوست! تم جدید آلات کو استعمال میں لاتے ہوئے یہ سب کچھ ممکن بنا سکتے ہو۔ افزائشِ نسل کے لیے تناسلی اعضاء کی تبدیلی کو آسان، جائز اور باعزت بنادو۔ گو کہ یہ ایک دردناک اور مہلک کام ہے مگر انسان بھی تو جاہل اور خواہشات کا غلام ہے۔ وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا۔

سوالی: میرے آقا! کیا اس سے پہلے انسان اپنی ہلاکت میں اس حد تک گیا ہے؟

شیطان: نہیں مگر اب قیامت قریب ہے اور میں نے لوگوں کو اس حالت تک پہنچانا ہے کہ جب دنیا میں ایک بھی اللہ کے حکموں پر چلنے والا نہ رہ جائے۔ ایسے میں مجھے ان تمام تر طریقوں کو استعمال کرنا ہے اور دوسرا یہ کہ ہم جنس پرستی پچھلے ادوار میں بھی کسی حد تک رہی ہے مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کے لیے جنسی اعضاء کو بھی تبدیل کیا جا سکا ہو مگر اب ایسا ممکن ہے۔

حیا کے مقابل مجھے اس قدر کوشش کرنی ہے کہ لوگ بازاروں اور شاہراہوں میں سرعام زنا کریں اور پاس سے گزرنے والے کو کوئی تعجب بھی نہ ہو۔ اس کے لیے یہ ایسے ہی معمول کی بات ہو جیسے بچوں کا بازاروں اور شاہراہوں میں کھیلنا۔

سوالی: میرے آقا! ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

شیطان: دوست! وہ عورت جس کا چہرہ آسمان نے شب کی تاریکی میں بھی نہ دیکھا تھا، وہ اس حد تک آگئی کہ اس کا جسم کسی سے چھپا نہیں۔ دوست! مشکل مرحلہ یہی تھا، آگے کا سفر تو بہت سہل ہے۔

زنائے محرم

سوالی: عموماً لوگ قریبی رشتہ داروں مثلاً ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالا، بھتیجی اور بھانجی وغیرہ سے جنسی تعلق قائم کرنے سے گریز کرتے ہیں حلانکہ جسمانی طور پر قریب اور دور کی عورتوں میں کچھ فرق نہیں۔ میرے آقا! وہ کون سی غائبانہ رکاوٹ ہے جو انھیں اس کام سے روکے ہوئے ہے۔

شیطان: دوست! شریعت ان کے راستے کی رکاوٹ ہے۔

سوالی: میرے آقا! شریعت کیسے ان کے راستے کی رکاوٹ ہے؟

شیطان: دوست! شریعت لوگوں کو اس گناہ سے خوف اور احتیاطی تدابیر کے ذریعے روکتی ہے۔

سوالی: میرے آقا! کیسا خوف اور کون سی احتیاطی تدابیر؟

شیطان: دوست! خوف دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی اور عذاب کا۔

اور احتیاطی تدابیر سے مراد ان کاموں سے علیحدگی جو اس گناہ کا موجب بن سکتے ہیں مثلاً اسلام نے دس سال کے بچے کا بستر علیحدہ کرنے کا حکم دیا اس میں یہی حکمت تھی۔ اب جو ان باتوں سے لاعلم ہو اور خوفِ خدا بھی نہ رکھتا ہو اسے پھسلانا انتہائی آسان ہے۔

سوالی: میرے آقا: یہ رکاوٹ کیسے دور کی جا سکتی ہے؟

شیطان: دوست! لوگوں کے دلوں سے شریعت کی اہمیت ختم کر دو۔

سوالی: میرے آقا! شریعت کی اہمیت کیسے ختم ہو گی؟

شیطان: دوست! شریعت اپنی آغوش میں خوف اور امید کو سمیٹے ہوئے ہے۔ خوف انسان کو برے کاموں سے روکتا ہے جبکہ امید نیک کاموں کی رغبت دلاتی ہے۔ دوسری طرف انسان کا نفس تن آسانی اور لذتوں کا طلب گار ہے۔ تن آسانی اسے نیک کاموں سے روکتی ہے اور لذت طلبی اسے گناہوں کی طرف مائل کرتی ہے۔

تم ایسا کرو کہ نفسِ انسانی اور شریعت کو آمنے سامنے کر دو۔ جب یہ دونوں آمنے سامنے ہو جائیں تو پھر نفس کو طاقت فراہم کرو اور شریعت کو کمزور کرو۔ نفس گناہوں سے طاقت ور ہو گا اور شریعت لاعلمی سے کمزور ہو گی۔ بالآخر وہ مقام آئے گا کہ نفس شریعت پر غالب آجائے گا اور جسم پر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی اور انسان کے لیے شریعت کی اہمیت جاتی رہے گی۔ وہ نفس کی ہر پکار پر لبیک کہنے لگے گا۔

سوالی: میرے آقا! مغربی معاشرہ تو نفس و شریعت کی اس جنگ سے نہیں گزرا، پھر وہ زنائے محرم پر کیسے آمادہ ہو گئے ہیں؟

شیطان: دوست! تجھے تاریخ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مغرب میں سٹیٹ اور چرچ کی جنگ دراصل نفس و شریعت ہی کی تو جنگ تھی۔ بالآحر نفس غالب آگیا اور اس نے دنیا کو ایک نیا نعرہ دیا کہ

"The church has nothing to do with the state affairs."

یہ دراصل نفس کی شریعت پر فتح کا اعلان تھا۔

سوالی: میرے آقا! اس مقصد کے لیے ہم جدید دور کے آلات کو کیسے استعمال میں لا سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! زنائے محرم کا زہر اُس غذا میں ملا دو جسکا استعمال لوگوں میں عام ہو۔ مثلاً آج کل فلمیں اور ڈرامیں بیشتر لوگوں کے نفس کی غذا ہیں۔ تم ان ڈراموں اور فلموں میں لوگوں کو زنائے محرم اس طریق سے دکھاؤ کہ انھیں معمول کی بات لگے۔ شروع میں انھیں اس بات سے کراہت آئے گی مگر جب وہ اسے بار بار دیکھیں گے تو ان کا ذہن اسے قبول کرنا شروع کر دے گا۔ اور بہت جلد اس کے اثرات ان کی عملی زندگی میں آنے شروع ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں تعلیمی نظام کے ذریعے تم لوگوں کو یہ زہر پلا سکتے ہو۔

سوالی: میرے آقا! بعض کے نزدیک زنائے محرم اور عام زنا کی سزا ایک ہی ہے۔ ایسے میں ہم اس کٹھن راہ کو کیوں چنیں جب حاصل ایک ہی ہے؟

شیطان: ناداں! ان دونوں گناہوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دیکھ جب ہمسائے کی عورت کے بارے میں مسلمانوں کے نبیؐ نے کہا کہ اس سے زنا دس عام عورت کے ساتھ زنا سے بڑا جرم ہے، تو پھر محارم تو آخر محارم ہیں۔ ان کا رتبہ تو ہمسائے کی عورت سے کئی گنا اونچا ہے۔ اس لیے تم لوگوں کو اس کبیرہ گناہ کی طرف مائل کرو۔ گو کہ یہ کٹھن کام ہے مگر ناممکن نہیں۔

سوالی: میرے آقا! میں جب مغربی معاشرے کو دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید ہم تو اس مرحلہ سے گزر چکے ہیں۔ شہوت کی پیاس بجھانے والے تمام چشموں سے رکاوٹیں نذرِ آتش کر کے راکھ کر دی گئی ہیں۔ جس کا جی اسے جدھر اشارہ کرتا ہے وہ اس کھیت میں جا

گھستا ہے اور کوئی روکنے والا اسے روکتا نہیں۔ ہر دربار بے در و دربان ہے۔ایسے میں ہمیں محرم و نامحرم کی پیچیدگیوں میں وقت و قوت سرف کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟

شیطان: دوست! تیری عقل کی قلت و ذلت پر افسوس۔ مغربی معاشرہ تو پہلے ہی میرے تابع ہے۔یہ تو میرے اولیاء کی بستی ہے۔ یہ تو میرے مددگاروں کی دنیا ہے۔دنیا میں یہی تو میرے عظیم لشکری ہیں۔ پھر اپنے ہی لشکریوں کی وفاداری و تابعداری پر دشمن کی وفاداری و تابعداری کا قیاس کرنا کیسی عظیم حماقت ہو گی۔ اے نادان! مجھے اصل خطرہ تو مشرق کی ہواؤں و شعواؤں سے ہے جو مسلسل میرا تعاقب کر رہی ہیں۔میرا اصل ہدف تو نبی امی ﷺ کی امت ہے جس کے ایمان کی حرارت سے باطل پگھل کر پانی ہو رہا ہے۔ پھر تو مجھے نصیحت کرتا ہے کہ مغرب کی گمراہی کو لے کر مشرق کے بارے بے فکر ہو جاؤں۔

(سوالی ندامت سے شیطان کے قدموں میں گر گیا اور سجدہ ریز ہو کر معافی طلب کی تو شیطان کا غصہ ٹھنڈا ہوا)

سوالی: میرے آقا! آپ عرض کیجیے، نبی امی ﷺ کی امت کے بارے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

شیطان: دوست! نبی امی ﷺ ہی کے فرمان کے مطابق حیا ایمان کی شاخ ہے اور جس میں حیا نہیں وہ جو چاہے کرے۔ حیا دراصل حق و باطل کے مابین ایک واضح سرحد ہے اور اسے مدھم کیے بغیر لوگوں کو باطل کی طرف مائل کرنا محال ہے۔اور تعظیمِ محارم گلشنِ حیا کی جڑ ہے اور جڑیں کٹ جانے سے موت گلشن کا مقدر ہو جاتی ہے۔ سو ہمیں حیا کی جڑیں کاٹنی ہیں تاکہ

یہ شجر سوکھ جائے اور اس کے پھلوں سے پلنے والا پنچھی ءایمان لقمہ ءاجل ہو جائے۔ پھر ممکنہ خطرے ٹل جائیں گے اور میری تہذیب کے لیے تمام تر راستے کھل جائیں گے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی مضبوط فوجوں کی نشاندہی کرو اور مسلمانوں کی کمزوریوں کا بھی جائزہ لو۔ پھر جہاں انھیں کمزور پاؤ وہاں اپنی فوج داخل کر دو اور کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہ جانے دو۔

سوالی: میرے آقا! اس نقطے کو اگر مزید کھول کر بیان کر دیں تو ہمارے لیے عمل کرنا آسان ہو جائے گی۔

شیطان: دوست! مثال کے طور پر تمام تر عالمی تنظیمیں تمھارے ہاتھ کی لونڈیاں ہیں جبکہ مسلم ممالک باقی دنیا کی طرح ان کے ماتحت ہیں۔ اب یہاں تمھارے لیے برتری کا سامان ہے جبکہ مسلمانوں کی کمزوری واضح ہے۔ تم انکی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے نظام کو ان پر نافذ کرو۔ مال و منال کا لالچ دے کر انھیں اپنی تہذیب کے نشے میں مبتلا کرو۔ جہاں مال و منال کا جادو ناکام ٹھہرے وہاں جاہ و جلال کی بجلیاں گرا دو۔ بھلا تمھیں کون سوال کرنے والا ہے۔ دنیا کی تمام تر بادشاہتیں تو تمھارے پاس ہیں۔

سوالی: میرے آقا! آپ نے راہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ اب ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم آپ کے حکموں کی تعمیل کے لیے نکل کھڑے ہوں اور ہم ضرور ایسا ہی کریں گے اور ذرا غفلت نہ دکھائیں گے۔ (شیطان یہ سن کر نہایت خوش ہوا)

تن آسانی

سوالی: میرے آقا! انسان کا نفس ہمیشہ آسائشوں کا متلاشی رہتا ہے، پھر جو آسائشیں اسے میسر آنے لگتی ہیں ان کا عادی ہو جاتا ہے۔ ان کے چھوٹنے سے بے چین ہوتا ہے اور ان کے بچاؤ کے لیے اقدامات کرتا ہے۔ یہی تن آسانی اسے اکثر مشقت طلب امور سے باز رکھتی ہے، خاص کر ان معاملات میں جن میں کوئی دنیوی حصول و لذت نہ ہو۔ دینی امور میں چونکہ کوئی دنیوی لذت نہیں ہوتی اس لیے نفس پر اکثر بھاری گزرتے ہیں۔ دوسری طرف ہر انسان کے وجود سے ایک آواز اسے مسلسل راہِ حق پر نکلنے کے لیے ابھارتی ہے۔ سو نفس و روح کے مابین یہ جنگ مسلسل جاری رہتی ہے اور جو فتح یاب ہوتا ہے انسان پر اس کا حکم چلتا ہے۔

میرے آقا! انسان کے اندر کی اس جنگ سے ہم کیسے فائدہ لے سکتے ہیں؟ راہِ حق کی طرف پکارنے والی آواز کو کیسے خاموش کیا جا سکتا ہے؟ عارضہء تن آسانی کی افزائش کیسے ممکن ہے؟

شیطان: دوست! انسان کے اندر کی جنگ ہی اصل امتحان ہے۔ جسم تو سلطنت کی مانند ہے۔ یہ کسی ایک شخص کی ملک نہیں بلکہ جو سلطان بنتا ہے یہ اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ سلطنتِ جسم دو طاقتوں کے مابین رہتی ہے؛ کبھی نفس اس پر قابض ہوتا ہے اور حکومت کرتا ہے تو کبھی روح تخت نشیں ہوتی ہے۔ ان دونوں فریقین کو طاقت فراہم کرنے والے چند عوامل ہیں، تن

آسانی جن میں سے ایک ہے جو کہ نفس کو طاقت فراہم کرتی ہے۔اب جس قدر طاقت فراہم کرو گے نفس اسی قدر مضبوط ہو گا اور مخالف یعنی روح اسی قدر کمزور ہو گی۔ جہاں تک تن آسانی کی افزائش کا تعلق ہے تو انسان کو مقصدِ حیات سے غافل کر کے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! مقصدِ حیات سے غفلت کیسے تن آسانی کی خواہش کو ابھارتی ہے ؟

شیطان: دوست !انسان بنیادی طور پر آرام پسند ہے لیکن زندگی کی ضروریات و خواہشات اسے مشقت پر آمادہ کرتی ہیں۔ وہ کھیت کھلیانوں سے لے کر فیکٹری کارخانوں تک تکالیف کی آگ میں جلتا ہے۔ روز طعن و تشنیع سنتا ہے پھر بھی آقا کے سامنے ادباً جھکتا ہے۔ ان ذلتوں اوراذیتوں کا سبب ضروریات وخواہشات ہی ہیں۔ یہ ہٹا دی جائیں یا عطا کر دی جائیں جیسے من و سلویٰ اترا، تو انسان کبھی اتنی مشقت نہ اٹھائے۔

یہی معاملہ مقصدِ حیات کا بھی ہے۔ انسان جب اسکو پیشِ نظر رکھتا ہے تو آسائشوں کا بستر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مجاہدے کرتا ہے، جنگیں لڑتا ہے ، روزے رکھتا ہے، شب بیداری کی تکلیف اٹھاتا ہے۔ الغرض وہ ہر اس آگ میں کودنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جو حصولِ مقصدِ حیات کی موجب ہو۔ اگر اسی مقصد سے اسے غافل کر دیا جائے تو وہ تن آسانی کی چادر اوڑھ کر سویا رہے۔

سوالی: میرے آقا! آرام بھی تو انسانی جسم کی بنیادی ضرورت ہے، پھر یہ باعثِ ہلاکت کیوں ؟

شیطان: دوست !اگر مالک تجھے کسی اہم کام سے بھیجے اور تجھے سواری بھی دے اور کہے کہ اس کے حقوق کا بھی خیال رکھنا۔ پھر تو سواری کی دیکھ بھال میں ہی مگن ہو جائے اور اصل مقصد

کو بھلا دے۔ تو کیا تیرا یہ عذر قابلِ قبول ہو گا کہ میں سواری کی دیکھ بھال میں مگن رہا اس لیے اصل کام نہ کر سکا۔ سواری کے خیال کا مطلب یہ تھا کہ طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈال اور ضرورت کے مطابق خوراک دے تا کہ کہیں کمزور یا بیمار نہ پڑ جائے۔ پس انسانی جسم کے لیے بھی اتنا ہی آرام سود مند ہے اور اس سے زیادہ آرام مقصدِ حیات میں خلل کا باعث اور ہلاکت ہے۔

سوالی: میرے آقا! کچھ لوگوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ انسان کو جتنا آرام دہ ماحول میسر آتا ہے وہ اتنا بہتر طریقے سے کام سر انجام دے سکتا ہے؟ اس بات میں کس قدر سچائی ہے؟

شیطان: دوست! ایک دفعہ مسلمانوں کے نبی ﷺ کے بستر کو جب دوہرا کیا گیا تو اگلی صبح آپ ﷺ نے اس بارے میں دریافت کیا اور فرمایا کہ اسے اصلی حالت پر لوٹا دو مجھے اس کی نرمی نے شب بیداری سے روک دیا۔

دوست! جب ایک نبی کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ سکتا ہے تو پھر عام لوگوں کو تو کسی صورت اس سے استثنا حاصل نہیں۔ درحقیقت اکثر لوگ آرام دہ زندگی ترک کرنے سے گھبراتے ہیں اس لیے اس کے دفاع میں دلائل تراشتے ہیں۔ اور سننے والے کم علمی کی وجہ سے ان دلائل سے متاثر ہو کر قبول کر لیتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! اس دور میں ہم مسلمانوں پر ہر سمت سے حملہ آور ہیں اور مختلف ہتھیاروں کو استعمال میں لائے ہوئے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں سے ایک معاشی ہتھیار بھی ہے جس سے ہم مسلمانوں پر معاشی جنگ مسلط کیے ہوئے ہیں۔ میرے آقا! اگر تن آسانی

ان کے لیے ہلاکت ہے تو معاشی تنگی تو ان کے لیے باعثِ رحمت ہونی چاہیے ؟ پھر ہم معاشی تنگی کے ذریعے کہیں ان کی مدد تو نہیں کر رہے ؟

شیطان: دوست ! تجھے اختیاری فقر اور اضطراری فقر کے مابین فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اختیاری فقر کے بارے میں مسلمانوں کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ فقر میرا فخر ہے اور یہ دنیا میں مومن کے لیے تحفہ ہے جبکہ اضطراری فقر کے بارے میں فرمایا کہ یہ انسان کو کفر کے قریب لے جاتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف حالیہ معاشی جنگ دراصل ان کے لیے اضطراری فقر کی ایک صورت ہے اور وہ اس سے نکلنے کے لیے ہمارے سامنے ہی ہاتھ پھیلاتے ہیں پھر ہم ان کے ایمان کا سودا کرتے ہیں۔ اور یہ فقیری انھیں تن آسانی سے آزاد نہیں کراتی بلکہ ایک آرزو کی صورت میں ان کے دلوں پر ڈیرے ڈالے رہتی ہے اور یہ اس سے بدرجہا خطرناک ہے۔ یہ اس لیے کہ انسان جب ایک شے سے محروم ہوتا ہے اور اس کے حصول کی آرزو بھی رکھتا ہے تو اس کے ہاں اس شے کی قدر بنسبت اس شخص کے جو اس پر قابض ہوتا ہے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ اورانسان اس کی خاطر کسی بھی حد تک جانے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف، یہ کارآمد ترین ہتھیاروں میں سے ایک ہے۔

اختیاری فقر یہ ہے کہ وہ اپنی غربت پر راضی اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جائیں۔ یہ فقیری ان کے لیے باعثِ رحمت اور ہمارے لیے ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ وہ ہمارے سامنے دامن پھیلانا چھوڑ دیں گے اور ہم ان کی عزتوں کے دام نہ لگا سکیں گے۔ سو کرنے کا کام یہ ہے کہ انھیں فقر سے ڈراتے رہو اور امیری کے لیے انکے نفسوں کو ابھارتے رہو۔

سوالی: میرے آقا! اس بات کو عملی جامہ کیسے اپنایا جا سکتا ہےَ؟

شیطان: دوست! مسلمانوں میں فقر کا ڈر، دنیا کی محبت سے پیدا ہوگا اور دنیا کی محبت فکرِ عقبیٰ کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوگی۔ تم اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کو فکرِ آخرت سے آزاد کرو اور دوسری طرف دنیا کو بنا سنگھار کر ان کے سامنے پیش کرو، تم اپنے مقصد کو پالو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقر کی زیادہ تر فضیلتیں آخرت سے متعلق ہیں سو جسے آخرت کی فکر ہی نہ ہو بھلاوہ کیونکر فقر سے نہ بھاگے گا۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں میں جذبہء تن آسانی کو پروان چڑھاتے رہو جو کہ انھیں دینی جدوجہد سے باز رکھے گا اور ان کے ہاتھ ہمارے سامنے پھیلے رہیں گے اور ہم انکے ایمان کا سودا کرتے رہیں گے۔

بدعات کی ترویج

سوالی: میرے آقا! انسان فطرتاً تغیر اور ترقی پسند ہے؟ وہ ایک ہی لباس بار بار پہننا پسند نہیں کرتا، وہ استطاعت کے مطابق اپنی خوراک بدلتا ہے، وہ ایک ہی نظارے سے اکثر بیزار ہو جاتا ہے اور فرصت ملنے پر سیر کو نکلتا ہے تاکہ منفرد نظارے دیکھے۔ اور اسی طرح زندگی کے ہر معاملے میں وہ انھی مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ جہاں وہ باقی معاملات میں تغیر و ترقی پسند ہے وہاں وہ دینی معاملات میں بھی اس جذبہ سے آزاد نہیں مگر اسلام یہاں اسکی مخالفت کرتا ہے اور ہر نئی بات (بدعت) کو گمراہی قرار دیتا ہے۔ کیا یہ بات اسلام کے عالمگیر ہونے پر سوالیہ نشان نہیں ہے کیونکہ دنیا تو بہت تیزی سے بدل رہی ہے اور ہر شے کو تغیر پر مجبور کرتی ہے اور انکار کرنے والوں کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے؟

شیطان: دوست! یہ در حقیقت ایک پیچیدہ معاملہ ہے مگر حق پر مبنی ہے۔ اور نبیء اسلام ﷺ کا دین میں ہر نئی بات کو گمراہی کہہ کر اسکی ممانعت کا اعلان کرنا دراصل ایک معجزانہ کلام ہے۔ اسلیے تو اگر ان باتوں پر سوچے گا تو گمراہ ہو جائے گا۔ اس شجر کا پھل دو طریقوں سے تیرے ہاتھ آسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کے دلوں میں اس قول کو لے کر شکوک و شبہات پیدا کرو اور دوسرا غلط تاویلوں کے ذریعے دین میں بدعات (نئی باتوں) کے لیے راستے کھولو۔

سوالی: میرے آقا! آپ نے اس حدیث کو معجزانہ قرار دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟

شیطان: دوست! تو کیوں چاہتا ہے کہ گمراہی کی دلدل میں جا گرے۔ اپنی سوچ کو لگام دے۔ یہ حدیث معجزہ یوں ہے کہ جیسے توں نے ذکر کیا تھا کہ انسان تغیر پسند ہے تو مسلمانوں کے نبی ﷺ نے یہ فرما کر کہ دین میں ہر نئی بات (بدعت) گمراہی ہے، قیامت تک دین میں تغیر کی تمام سازشیں اور کاوشیں خاک میں ملا دیں۔

(یہ کہہ کر شیطان ماتم کرنے لگا "ہائے میں ہلاک ہوا، ہائے میں ہلاک ہوا اور پھر بات جاری رکھی)

اور اس معاملہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتا ہے کہ اسلام سے قبل تمام ادیان اس تغیر و تبدل کا شکار ہوئے اور ہم نے انھیں خوب گمراہ کیا مگر اب معاملہ بہت دشوار ہے۔

سوالی: میرے آقا! اگر بدعت ممنوع ہے تو پھر مسلمان نئے پیش آمدہ مسائل کو کیسے حل کر پاتے ہیں؟

شیطان: دوست! نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے اسلام نے اجتہاد کے دروازے کھول دیے ہیں اور یہی خاصیت اسلام کو عالمگیر بناتی ہے۔ اجتہاد کا درس مسلمانوں کو انکے نبی ﷺ نے ایسے دیا کہ جب ایک صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو کہا اے معاذ جب تیرے پاس کوئی معاملہ آئے تو کیسے فیصلہ کرے گا تو انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو کتاب اللہ میں نہ پائے تو انہوں نے کہا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ پائے تو؟ انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا تو اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کے ذریعے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! کیا اپنی رائے سے اجتہاد بدعت ہی نہیں ہے؟

شیطان: دوست! اجتہاد تو نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے ہے جن کا واضح طور پر قرآن وحدیث سے حکم نہیں ملتا، پھر اجتہاد سے معلوم کیا جاتا ہے۔ جبکہ بدعت کسی نئی چیز کو ثواب کی نیت سے دین میں داخل کرنا ہے جبکہ وہ ضروریات میں سے نہ ہو یعنی اس کے بغیر معاملات میں کوئی بڑی رکاوٹ نہ آتی ہو یا بڑے پیمانے پر کسی فائدے سے محروم نہ ہوتے ہوں۔

سوالی: میرے آقا! بدعت سے اسلام کو کیسے نقصان پہنچتا ہے؟

شیطان: دوست! نفسِ انسانی خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے اور انسان کو انکے حصول کے لیے مجبور کرتا ہے۔ روحانی طور پر کمزور شخص نفس کے تابع ہو جاتا ہے اور اسکی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب کسی بھی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ کوشش سے ہر شے پر قادر ہو جائے۔ جب بندۂ نفس یہ راہ بند پاتا ہے تو ممنوعہ راستوں کا رخ کرتا ہے۔ ان ممنوعہ راستوں میں سے ایک راستہ دین میں تغیر کا ہے۔ بندۂ نفس جہاں باقی ممنوعہ راستوں کو پرکھتا ہے وہاں یہ طریقہ بھی ضرور آزماتا ہے۔ اگر دین میں تغیر کا کوئی موقع پاتا ہے تو کر گزرتا ہے۔ اسی طرح باقی لوگ بھی اپنی ضروریات اور خواہشات کے مطابق دین میں تغیر کرتے چلے جاتے ہیں۔ یوں دین مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ بدعت دین کو بے وقعت بنانے کا ایک مؤثر ترین آلہ ہے۔

سوالی: میرے آقا! دین کے اس مزاج میں ہمارا کیا حصہ ہو سکتا ہے؟

شیطان: دوست! تم بدعات کو ترویج دو۔

سوالی: میرے آقا! بدعات کی ترویج کے مؤثر طریقے کیا ہیں؟

شیطان: دوست! بدعات کی ترویج کا طریقہ یہی ہے کہ انھیں مزین کر کے پیش کرو تا کہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں، من گھڑت فضائل کو عام کرو تا کہ لوگ خود بھی گمراہ ہوں اور ان کے ذریعے دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف بلائیں، بدعات کو فرائض و سنت کا متبادل بنا کر پیش کرو یعنی بدعات کی پیروی میں لوگ فرائض و سنت کو غیر ضروری جاننے لگیں، بدعات کو جائز قرار دینے والوں کو عزت دو تا کہ ان کے پیروی میں لوگ فخر محسوس کریں، بدعات کے حق میں دلائل کو عام کرو تا کہ مخالفین، اہل بدعت کو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہوں اور ملکی اور عالمی سطح پر بدعات کی سرپرستی کرو۔ اسی طرح وقت اور مقام کی مناسبت سے بدعات کی ترویج کے کئی اور طریقے ہیں جنھیں تم اجتہاد سے جان سکتے ہو۔

سوالی: میرے آقا! کون سی ایسی بدعات ہیں جنھیں ترجیح دی جانی چاہیے؟

شیطان: دوست! اسلام میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے پس جو بدعات شرک کے راہیں ہموار کریں انھیں ترجیح دو۔ سامری نے بنی اسرائیل کو اسی گناہ کے لیے ابھارا تھا۔ شرک کے بعد دیگر گناہ جو اسلام کی بنیادوں کو نشانہ بناتے ہوں، انھیں ترویج دو۔ آسان کلیہ یہ ہے کہ جو عمل اسلام میں جس قدر مذمت کردہ ہے تمھارے لیے وہ اتنا ہی اہمیت کا حامل ہے۔

سوالی: میرے آقا! مخالفین کا اس معاملہ میں کیسے مقابلہ کیا جائے؟

شیطان: دوست! پہلے حقائق سے واقفیت حاصل کر، پھر مقابلے کے لیے نکل۔ دراصل خدا نے دنیا کے نظام کو جاندار اور متوازن رکھنے کے لیے مختلف مکاتبِ فکر پیدا کیے یعنی لوگوں کی سوچوں کو ایک دوسرے سے مختلف رکھا۔ تمام مکاتبِ فکر ایک دوسرے کے لیے باعثِ رحمت ہیں اگر وہ شریعت کے دائرے میں رہیں۔ اس رحمت کو زحمت میں بدلنا ہی تمھارا مقابلہ ہے مخالفین سے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اہل بدعت اور منکرین بدعت کے اختلافِ فکر کو یوں ہوا دو کہ یہ ذاتی عداوت کا روپ دھار لے۔ انسان جب اس درجے میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر وہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے اور تمام تر قوانین کو بالائے طاق رکھ کر مخالف کو شکست دینے کی جہد مسلسل کرتا ہے۔ جب تم اس درجے پر پہنچ جاؤں کہ اہل بدعت اور منکرین بدعت ایک دوسرے کے خلاف کمر بستا ہو جائیں تو پھر اہل بدعت کو طاقت فراہم کرتے رہو اور منکرین پر خفیہ وار کرتے رہو۔ یہی عمدہ طریقہ ہے منکرین بدعت سے مقابلے کا۔

سوالی: میرے آقا! مکاتبِ فکر ایک دوسرے کے لیے باعث رحمت کیسے ہیں؟

شیطان: دوست! تو پچھلی امتوں کا حال دیکھ۔ جب انکار پہ آئے تو بعض انبیاءؑ کی تذلیل کی اور بعض کو قتل کر ڈالا اور جب قبول کرنے پہ آئے تو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ یہ دونوں گروہ ناکام ٹھہرے اور دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب کو دعوت دی ۔ اب یہ دونوں رجحانات ہر دور میں پائے جاتے ہیں۔ مکاتب فکر ایک دوسرے کے لیے باعث رحمت اس طرح ہیں کہ اگر وہ نیک نیتی سے ایک دوسرے کی اصلاح کریں تو عذاب الیم سے نجات پائیں یعنی عقیدت رکھنے والا گروہ انکار کرنے والے گروہ کو اعتدال کی طرف پکارے اور انکار

کرنے والا گروہ عقیدت والے گروہ کو اعتدال کی راہ دکھائے تو دونوں گروہ ایک دوسرے کے لیے باعث رحمت ہو جائیں گے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے لیے جہنم سے نجات کا ذریعہ بن جائیں گے۔ پس تم مسلمانوں کو بدگمانی اور بغض و عداوت کے ذریعے اس رحمت سے محروم رکھو تاکہ وہ ایک دوسرے کے معاون بننے کی بجائے دشمن بنے رہیں۔

دوست! بدعات کو مقاصد اولیں میں شامل رکھو اور ان کی ترویج کے لیے ہر دم کوشاں رہو کیونکہ اس سے دین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور دین کے بگاڑ سے بے عملی پروان چڑھتی ہے اور بے عملی کسی بھی معاشرے کے نظم و نسق کو دیمک کی مانند چاٹ جاتی ہے۔

دینی درسگاہوں کا بگاڑ

سوالی: میرے آقا! تمام مذاہب کی دینی تعلیمات کو آپ کے تدبر اور آپ کے اولیاء کی کاوشوں نے غیر مؤثر بنا دیا ہے۔ اب وہ چند اخلاقیات اور رسومات کے سوا کچھ نہیں۔ مگر مسلمانوں میں مذہبی روح بیدار ہے اور اس کی موجب دینی درسگاہیں ہیں۔ یہ درسگاہیں ہمارے نظام کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

میرے آقا! یہ رکاوٹ کیسے عبور کی جاسکتی ہے؟

شیطان: دوست! اس رکاوٹ کو عبور کرنے کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ دینی درسگاہوں میں بگاڑ پیدا کیا جائے اور مسلمانوں کو ان سے بیزار کر دیا جائے۔

سوالی: میرے آقا! اسے عملی جامہ کیسے پہنایا جاسکتا ہے؟

شیطان: دوست! تم ملک اور علاقے کے حساب سے مدارس کی جانچ پڑتال کرو اور دیکھو کہ کون کون سی حساس جگہیں ہیں اور کون کون سے قلعے غیر محفوظ ہیں۔ اس کے مطابق پلان بناؤ اور پے در پے حملے کرو۔ عموماً مدارس کی درج ذیل کمزوریاں ہیں جن کے ذریعے تم ان میں بگاڑ پیدا کر سکتے ہو اور مسلمانوں کو ان سے بیزار کر سکتے ہو:-

1۔ فقہی اختلافات

دوست! اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ دور نبوی ﷺ میں مسلمانوں کو جو دینی و دنیوی مسائل پیش آتے تھے، اپنے نبی ﷺ سے پوچھ لیتے تھے اور یہی معمول صحابہ کے دور میں بھی چلتا رہا۔

اس کے بعد ایک تو اسلام دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گیا جس کی وجہ سے انھیں نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور دوسرا لاعلمی کی وجہ سے دین میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا۔ ان خطرات سے نمٹنے کے لیے اس دور کے علماء نے قرآن و سنت اور آثار صحابہ کی روشنی میں تمام معاملات وعبادات کے طریقے قلمبند کیے۔ اس کو دینی اصطلاح میں فقہ کہتے ہیں۔ فقہ پر چونکہ مختلف ادوار میں مختلف علماء نے کام کیا اس لیے ان کی چند باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ ان اختلافات کو لے کر مسلمانوں میں تقسیم پائی جاتی ہے۔ کس جگہ ایک امام کی پیروی کی جاتی ہے اور اس کی فقہ پڑھائی جاتی ہے تو کسی جگہ دوسرے کی۔

دوست! اس میں میرے لیے ذاتی طور پر بہت حیران کن بات یہ ہے کہ ان علماء اسلام نے زندگی کے کسی پہلو کو پیاسا نہیں چھوڑا، ایک عام سے مسئلہ سے لے کر پیچیدہ ترین مسائل تک کو واضح کر دیا مگر پھر بھی اختلاف اتنا کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مجھے تمھارے ایمان کے اوپر یقین ہے اس لیے تم سے یہ راز کی بات کر رہا ہوں اور وہ یہ کہ اتنے بڑے پیمانے پر اتنے کم اختلافات ، اسلام کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔ مگر تم نے ان اختلافات کو زیادہ سے زیادہ کر کے پیش کرنا ہے تا کہ مسلمان علمی اور عملی میدان میں ایک دوسرے سے ہی مقابلہ میں مصروف رہیں۔

خاص کر دینی مدارس کو فقہی اختلافات میں مصروف رکھو تا کہ وہ امت کے اصل مسائل کو پسِ پشت ڈال کر غیر ضروری باتوں پر عقلیں کھپاتے رہیں اور مسلمان بھی ان سے کسی انقلاب کی امید رکھنا چھوڑ دیں۔

2۔ وسائل کا فقدان

دوست! جیسا کہ تو جانتا ہے کہ دنیا بھر میں تمام تر حکومتیں ہماری وفادار ہیں اس لیے ہماری رضا کو وہ ہر معاملے میں ملحوظ رکھتی ہیں۔ انہی کی وفاداری کا یہ ثمرہ ہے کہ آج مسلم ممالک تک میں دینی مدارس بے یارو مددگار ہیں۔ حکومت کی طرف سے انھیں کوئی فنڈز نہیں ملتے بلکہ صدقہ و خیرات پر انکا نظام چلتا ہے۔

مدارس کی اس کمزوری سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ پہلا وار یوں کرو کہ حکومتوں کو صدقہ و خیرات پر پابندی عائد کرنے کے لیے مجبور کرو۔ اس سے مدارس وسائل کی مزید کمی کا شکار ہوں گے جو کہ عظیم بگاڑ کا باعث بنے گی اور دینی تعلیم کے رجحان میں بھی کم واقع ہو گی۔

3۔ غیر معقول تنخواہیں

دینی مدارس سے فارغ التحصیل طلباء کو حکومتی سطح پر ذرائع معاش کے مواقع نہ فراہم کیے جائیں اور مؤذن اور امام مسجد کی تنخواہیں انتہائی کم رکھی جائیں تاکہ اس مادہ پرست معاشرے میں لوگ انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنے بچوں کو ان جیسا نہ بنائیں۔ دوسرا ان کے واعظ کی بھی کوئی وقعت نہ رہے گی کیونکہ اپنے سے کمتر کی بات کم ہی لوگ سنتے ہیں۔

4۔ برائیوں کی تشہیر

دوست! کوئی کتنا نیک ہو جائے خطا سے کلی طور پر پاک نہیں ہو سکتا۔ یہی معاملہ دینی مدارس سے متعلقہ لوگوں کا بھی ہے۔ ہر ملک میں لاکھوں طلباء دینی مدارس میں زیر تعلیم ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے اساتذہ ہیں اور یقیناً عام انسانوں کی طرح وہ بھی مختلف خطاؤں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تم ہر ملک میں ایسے لوگ تیار کرو جو مقامی مدارس کی خطاؤں کے درپے رہیں اور کسی قسم کی لغزش ملنے پر اسے بڑھا چڑھا کر لوگوں میں پھیلائیں اور مدارس کو

بدنام کریں۔ یقیناً یوں لوگوں کے دلوں میں مدارس کی نفرت پروان چڑھنے لگے گی اور لوگ اپنے بچوں کو مدارس میں بھیجنے کی بجائے ہماری درسگاہوں کا رخ کریں گے۔

دوسری طرف لوگ، دوسروں کی اچھائیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ دینی شعور رکھنے والے لوگ اکثر اچھائیوں میں بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تم لوگوں کو مذہبی لوگوں کی اچھائیوں سے حجاب میں رکھو تاکہ وہ ان سے متاثر نہ ہوں۔ پس مدارس کی برائیوں کا پھیلانا اور اچھائیوں کا چھپانا، مسلمانوں کو ان سے دور رکھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

5۔ الزام تراشی

دوست! عام مسلمانوں کے اندر اس سوچ کو پروان چڑھاؤ کہ ان کی تمام تر ناکامیوں کے موجب دینی مدارس ہیں۔ اس کے لیے تم مخصوص جملے لوگوں میں عام کرو جو اس سوچ کو پروان چڑھائیں۔ مثلاً "دنیا چاند پر پہنچ چکی ہے اور علماء اسی بات میں الجھے ہوئے ہیں کہ شلوار ٹخنوں سے اوپر ہونی چاہیے"، "ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ دینی مدارس ہیں" اور "مدارس دہشتگردی کی فیکٹریاں ہیں" وغیرہ۔

اور حقیقت کو بھی لوگوں سے نہاں رکھو کیونکہ چاند پر جانا مولوی کا کام نہیں بلکہ ان لوگوں کا کام ہے جو ٹیکنالوجی کے محکموں میں لاکھوں تنخواہیں اور بھاری مراعات لے رہے ہیں۔ اور اس ناکامی کا موجب بھی انہی لوگوں کو ٹھہرانا چاہیے۔ یہ حقیقت اگر لوگوں پر واضح ہوگئی تو ان کی ہمدردیاں دینی مدارس کی طرف ہونے لگیں گی کیونکہ حکومت انھیں فنڈز بھی نہیں دیتی پھر بھی اتنے بڑے پیمانے پر علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لیے حقائق کو بھی چھپاتے رہو اور ناکامی کا موجب بھی مدارس کو ٹھہراتے رہو۔

6۔ دہشتگردی

دوست! مسلمانوں کے پاس سب سے قیمتی ہتھیار جذبہ ء جہاد ہے۔ مسلمانوں سے لڑ کر یہ جذبہ مٹانا مغربی قوتوں کے بس کا کھیل نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جہاد کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مسلمان بھی اسے دہشتگردی کہنے پر مجبور ہو جائیں اور اس کے خاتمے کے لیے ہمارے اتحادی بن جائیں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ عصری درسگاہوں میں مسلمانوں کو یہ پڑھایا جائے کہ اسلام امن کا درس دیتا ہے اور یہ اخلاق سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار سے۔ اور ساتھ ساتھ انھیں یہ بھی باور کرایا جائے کہ مدارس میں جو جہاد و قتال کا درس دیا جاتا ہے اسکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ سراسر دہشتگردی ہے۔ یہ سوچ لوگوں کو دینی مدارس کے متنفر کرے گی اور وہ ان کے خلاف میدان عمل میں نکلنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

7۔ عصری علوم کا فقدان

دوست! چونکہ دینی مدارس کو حکومتی سرپرستی حاصل نہیں اس لیے صدقہ و خیرات سے ان کے لیے ممکن نہیں کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا بھی اہتمام کر سکیں۔ اس لیے دینی مدارس میں بہت محدود سطح پر عصری تعلیم نظر آتی ہے۔ عموماً لوگ اس حقیقت کو خاطر میں نہیں لاتے کہ مدارس کو حکومت کوئی فنڈز نہیں دیتی بلکہ وہ نتائج کو مد نظر رکھتے ہیں۔ ایسے میں لوگوں کے اندر یہ سوچ پروان چڑھائی جا سکتی ہے کہ علماء جدید تعلیم کے مخالف ہیں اس لیے وہ عصری علوم کا اہتمام نہیں کرتے۔

دوست! یہ چند ایک اہم طریقے بیان کر دیے ہیں۔ تم اپنے تدبر سے مزید مواقع تلاش کرو تاکہ دینی مدارس کو غیر مؤثر بنایا جا سکے۔

تصوف

سوالی: میرے آقا! جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان میں ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو کہ اس بات کا خواہش مند ہے کہ دنیا میں بھی اپنی مرضی کی زندگی جئیں اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہو جائے۔ ایسے گروہ کو آخرت کی کامیابی کے بارے میں کیسے فریب میں مبتلا کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست! اس کے کئی طریقے ہیں جن میں آج سب سے کارآمد تصوف ہے۔ تصوف دراصل درجہ احسان کا دوسرا نام ہے لیکن آج اس میں بہت سی تحریفات ہو چکی ہیں۔ آخرت میں کامیابی کے لیے لوگوں نے اسے شریعت کے بالمقابل ایک آسان راستہ سمجھ لیا ہے۔

سوالی: میرے آقا! لوگوں کو مزید اس کی طرف کیسے مائل کیا جائے؟

شیطان: دوست! جہاں تم لوگوں کو شریعت سے دور رکھنے کے لیے کوشاں ہو وہاں ان میں تصوف کو پروان چڑھنے کے مواقع فراہم کرو۔ بدعقیدہ صوفیوں کو عزت دو اور ان کا چرچا کرو تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں۔ ان کی تعلیمات کو لوگوں میں عام کرنے کے لیے جدید ذرائع استعمال میں لاؤ۔ شریعت کی بنسبت اس راستے کو آسان پا کر لوگ مائل ہونے لگیں گے اور شریعت سے ان کا رشتہ کمزور ہوتا جائے گا۔

سوالی: میرے آقا! ایک یہ بھی سوچ پائی جاتی ہے کہ صوفیا کو ظاہری عمل یعنی نماز روزے وغیرہ کی حاجت نہیں، خدا نے انھیں ان چیزوں سے آزاد کر دیا ہے۔ اس میں کتنی حقیقت ہے؟

شیطان: دوست! جاہل مسلمانوں کو یہ میری دی ہوئی دلیل ہے ورنہ اصل صوفیہ کی کرامتیں ہی یہی تھیں کہ وہ شریعت کے حیران کن حد تک پابند تھے یعنی وہ نماز روزہ اور دیگر فرض و سنت اعمال پابندی سے ادا کرنے والے تھے۔ پس تم انھیں صوفیا کی تعظیم تک محدود رکھو اور ان کی تعلیمات سے دور رکھو کیونکہ ان کی تعلیمات عین شریعت کے مطابق ہیں اور ہمارے لیے ہلاکت ہیں۔

سوالی: میرے آقا! اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ تصوف کے نام پر ایسی تقریبات ہوتی ہیں جن میں بہت سے غیر شرعی عمل ہو رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً عرس وغیرہ پر اختلاطِ مرد وزن، ناچ گانا، بے پردگی اور دیگر بیہودہ حرکتیں۔ میرے آقا! اس کا ہمیں کس حد تک فائدہ ہے؟

شیطان: دوست! اس کا فائدہ یہ ہے کہ ایسے کام واضح حرام کاموں سے بڑھ کر حرام اور شدید عذاب کا باعث ہیں کیونکہ واضح حرام کو حرام سمجھ کر کیا جارہا ہوتا ہے اس لیے اصلاح کی امید ہوتی ہے لیکن عرس وغیرہ پر یہ کام ثواب سمجھ کر کیے جارہے ہوتے ہیں جو کہ دوہرے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ واضح گناہوں کی طرح یہ بھی ایک گناہ ہے اور دوسرا اس سے دین میں تحریف ہوتی ہے اور آنے والی نسلیں بھی اس کی پیروی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ثواب کی نیت سے کیا جارہا ہوتا ہے اس لیے اصلاح کی امید بہت کم ہوتی ہے۔ سو تم لوگوں

کو تصوف کے نام پر ایسی باتوں میں الجھائے رکھو تا کہ اصل دین کی طرف ان کا لوٹ کر آنا مشکل ہو جائے اور ہمارا نظام تمام خطرات سے محفوظ رہے۔

سوالی: میرے آقا! کیا آج بھی حقیقی صوفیا پائے جاتے ہیں؟

شیطان: دوست! اصل صوفیا ہر دور میں پائے گئے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں۔ آج تصوف کا چہرہ دراصل اس قدر بگڑ چکا ہے کہ حقیقی صوفیا گمنام ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ جعلی صوفیا نے لے لی ہے۔ آج انھی بے راہ صوفیا کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کی تعلیمات پر عمل کیا جاتا ہے۔

دوست! اصل صوفیا کو گمنام ہی رہنے دو۔ اگر وہ سامنے آتے ہیں اور لوگ ان کی پیروی شروع کر دیتے ہیں تو یہ ہمارے نظام کے لیے بہت خطرے کی بات ہو گی۔

سوالی: میرے آقا! ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو دوا و درود کے ذریعے لوگوں کی بیماریاں رفع کرتے ہیں اور لوگ جوق در جوق ان کے پاس جاتے ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے اور ہمیں ان سے کیا فائدہ یا نقصان ہے؟

شیطان: دوست! ان سے ہمیں نقصان کچھ نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر ان میں صرف اولیاء کا روپ دھار کر بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ ان کے افعال و اقوال سے لوگوں میں بد عقیدگی پھیلتی ہے اور خدا پر یقین کمزور اور شک کا شکار ہو جاتا ہے۔ تم ان لوگوں کی بھی سرپرستی کرتے رہو۔

سوالی: میرے آقا! لوگوں میں ایک یہ بھی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ صوفیا امن و آشتی کا درس دیتے ہیں اور جنگ و جدل سے گریز کرتے ہیں۔ کیا یہ بھی آپ ہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے یا صوفیا ایسا ہی کرتے تھے؟

شیطان: دوست! یہ میری ہی کوششوں کا حاصل ہے ورنہ صوفیا کا جو اصل عقیدہ ہے اسے اقبال نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یعنی صوفیا کا امن و آشتی کا درس مسلمانوں کے بارے میں ہے یا ایسے غیر مسلموں کے بارے میں جو باطل کے حمایتی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس باطل کے معاملہ میں وہ لوہے کی طرح سخت ہوتے ہیں۔ انسان کو چونکہ دنیا کی زندگی عزیز ہے سو بے عمل مسلمانوں نے صوفیا کی تعلیمات کا ایک حصہ جو ان کی خواہشات کے مطابق تھا، لے لیا اور دوسرا حصہ جو ان پر مشکل تھا یعنی جنگ و جدل، اسے پسِ پشت ڈال دیا۔ سو انھیں اسی عقیدہ کی تعلیم کرتے رہو اور حقیقت سے بے خبر رکھو۔

سوالی: میرے آقا! صوفیا نے نفسِ انسانی کی اصلاح کے لیے ایسی کتابیں لکھیں ہیں کہ انھیں جو ایک بار پڑھ کر دل میں اتار لیتا ہے، اس کی زندگی عین شریعت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ جیسے امام غزالی کی کتاب "کیمیائے سعادت" ہے جو ایک عام مسلمان کو مقام احسان تک پہچانے کی سکت رکھتی ہے۔ ایسی کتابوں سے مسلمانوں کو کیسے دور رکھا جائے؟

شیطان: دوست! جدید دور کی ایجادات کا نشہ ایسا قوی ہے جیسا شراب و کباب کا بھی نہیں ہے۔ پس تم مسلمانوں کو اس نشہ میں محو کر دو۔ جب وہ اس کے عادی ہو جائیں گے تو ان کے لیے کتابیں وغیرہ پڑھنا مشکل ہو جائے گا اور وہ انکی اہمیت جانتے ہوئے بھی مستفید نہ ہو سکیں گے۔

غلط شعار کی ترویج

سوالی: میرے آقا! ہم ٹیکنالوجی کے دور میں سانس لے رہے ہیں جہاں عموماً لوگوں کا حقیقی زندگی سے زیادہ انٹرنیٹ کی مصنوعی دنیا پر وقت گزرتا ہے۔ وہ فلموں، ڈراموں، گانوں اور دیگر تفریحی سرگرمیوں میں اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں۔ ایسے میں یہ ہمارے پاس ایک سنہرا موقع ہے کہ ان میں غلط شعار کو باآسانی ترویج دیا جائے اور انھیں قانونِ قدرت کے خلاف بغاوت کے لیے ابھارا جائے۔ اس معاملے میں آپ ہماری رہنمائی فرما دیجیے کہ کون سے شعار پرموٹ کیے جائیں جو انسان کو اس کے مقامِ شرف سے محروم کردیں۔

شیطان: دوست! دنیا تقریباً اپنی زندگی پوری کر چکی ہے اور ہم آخری دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے یہ سخت فتنوں کا دور ہے اور ہمارے لیے زیادہ سے زیادہ انسان جہنم کے لیے جمع کرنے کی موقع ہے۔ ایسے میں تم انٹرنیٹ سے متعلق درج ذیل جال پھینکو:-

1۔دہریت

دوست! انٹرنیٹ کے ذریعے لوگوں کے اندر دہریت کا زہر اس قدر گھولو کہ وہ کسی خالق و مالک کے تصور کو جاہلیت جاننے لگیں۔ انھیں اس پر پختہ کرنے لیے لیے جھوٹے دلائل بھی پیش کرو۔ انسان کم علمی کی وجہ سے جھوٹ پر مبنی دلائل کو بھی قبول کرلیتا ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی تعلیمات میں جو خدا کا تصور پیش کیا جاتا ہے اس کے مقابل بھی دلائل تراشو تا کہ تمھارا کوئی وار ضائع نہ جائے۔ لیکن یہ ضرور خیال رکھنا کہ ایسا مواد ایک خاص مقدار سے زیادہ نہ

ہو جو لوگوں کو اس سے متنفر کر دے۔ کیونکہ ناظرین کا اصل مقصد تو جنسی تسکین و تفریح ہے۔ دہریت کا زہر آٹے میں نمک کے برابر ہو گا تو ہی پنہاں رہے گا ورنہ عیاں ہو جائے گا۔ پس تم اعتدال کے ساتھ اپنا کام کرتے جاؤ۔

2۔**روشن خیالی**

دوست! انٹرنیٹ کے ذریعے مذہبی پابندیوں کو تنگ نظری کے طور پر پیش کرو اور ان سے آزادی کو روشن خیالی قرار دو۔ آج کی نوجوان نسل ویسے بھی مذہبی پابندیوں سے آزادی کی خواہاں ہے، اس کے حق میں اگر انھیں چند دلائل پیش کر دیے جائیں تو کھچے چلے آئیں گے۔اور رفتہ رفتہ دین کے پیروکاروں کو جاہل اور تنگ نظر تصور کرنے لگیں گے۔ یہ رویہ انھیں خدا کی رحمت سے مزید دور لے جائے گا اور وہ ہمارے جال میں جکڑتے چلے جائیں گے۔ روشن خیالی اور تنگ نظری کی یہ جنگ اسلامی معاشرے میں تقسیم پیدا کر دے گی جو انھیں کسی بیرونی طاقت سے نبرد آزما ہونے کے قابل نہ چھوڑے گی یعنی ہم بغیر لڑے فتح یاب ہو جائیں گے۔

3۔**بے پردگی**

دوست! بے پردگی بھی دراصل روشن خیالی مہم کا حصہ ہے مگر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر الگ سے ذکر کر رہا ہوں۔

دوست! بے پردگی دل پر ایسی ضربیں لگاتی ہے کہ اسے اندھا کر چھوڑتی ہے۔ پھر انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور اسے ذرا احساس بھی نہیں ہوتا۔ تم تفریح کے نام پر لوگوں کو برہنہ جسم بار بار دکھاؤ تاکہ ان کی حیا مر جائے اور ان پر ہر وقت شہوت کا غلبہ رہے۔ یہ کیفیت

انھیں جنسی درندہ بنادے گی اور وہ جب بھی مخالف جنس کو دیکھیں گے تصور میں اسے برہنہ کر چھوڑیں گے اور موقع ملنے پر حقیقت میں بھی ایسا کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ پھر تم دیکھو گے کہ ایسے لوگ حیوانوں کی مانند ہو جاتے ہیں اور ان کی شہوت ایسی بے لگام ہو جاتی ہے جیسے سرِ راہ ایک کتا کسی کتیا کو دیکھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑتا ہے۔ عورتیں اور بچے غیر محفوظ ہو جاتے ہیں اور معاشرے کے اندر بے اعتمادی کی فضا پروان چڑھنے لگتی ہے۔ ایسی حالت میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کو نشانۂ تنقید بنانے کے بے شمار مواقع میسر آجاتے ہیں۔ سو تم اس پر خوب محنت کرو میرے دوست۔

4۔ فرائض میں غفلت

دوست! انسان کو خدا نے آزمائش کے لیے پیدا کیا جس واسطے اس پر کئی فرائض عائد کیے۔ بعض کا تعلق انسانوں سے ہے اور بعض کا تعلق خدا سے۔ فرائض اکثر مشقت طلب ہوتے ہیں جبکہ نفسِ انسانی آسائشوں اور لذتوں کا طالب ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو انٹرنیٹ پر ایسا دل پذیر مواد مہیا کرو کہ دن بھر اسی سے لطف اندوز ہوتے رہیں اور فرائض کے بجاآوری کے لیے انھیں فرصت ہی نہ ملے۔ یوں وہ مقصد حیات میں ناکام ٹھہریں گے اور بالآخر جہنم کا نوالا بنیں گے۔

5۔ سنت سے دوری

دوست! انسان کی یہ فطرت ہے کہ جسے پسند کرتا ہے اس کے طریقہ کو اپنانا اس کے لیے باعث فخر ہوتا ہے۔ وہ اس کے بول چال، لباس اور ہیئر سٹائل وغیرہ کو اپنا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے جسے سنت کہا

جاتا ہے۔ انھیں اس طریقہ سے ہٹانے کے لیے تمھیں جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اس کے لیے تمھیں انٹرنیٹ پر ایسے لوگ پیش کرنے ہیں جن کا حسنِ ظاہر، انداز تکلم، کارکردگی اور جوانمردی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالے اور وہ انہی کے صبح شام گن گاتے رہیں۔ یہ کیفیت انھیں ان مصنوعی دیوتاؤں کی پیروی پر مجبور کر دے گی اور نتیجتاً وہ سنتِ نبوی سے دور ہو جائیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں باعثِ ندامت بن جائے گا۔

6۔ناشکری

دوست! دورِ جدید کے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے لوگوں کے سامنے ایسا طرز زندگی پیش کرو جو عملی طور پر ممکن نہیں۔ لوگوں کے اندر جب ایسے طرزِ زندگی کے حصول کا جذبہ جوش مارے گا تو وہ اس کے لیے جدوجہد کریں گے۔ جب اسے پا نہ سکیں گے تو ناشکری پر اتر آئیں گے اور ناشکری دنیا میں تنگی کا باعث اور آخرت میں شرمندگی کی موجب ہو گی۔ مثلاً تم عورتوں کے حسن کو اس قدر بڑھا کر پیش کرو جو عملی زندگی میں ممکن نہ ہو، پھر انھیں دیکھنے والی عورتیں جب اس معیار تک پہنچنے کے لیے تگ و دو کریں گیں تو ناکام ہونے پر ناشکری کا اظہار کریں گیں۔ یہ رویہ ان کے لیے دنیا میں تنگی کا باعث ہو گا اور آخرت میں موجبِ ندامت۔

7۔صحت کی خرابی

دوست! صحت کا مقصدِ حیات کے حصول سے گہرا تعلق ہے۔ صحت اگر خراب ہو تو فرائض کی ادائیگی میں مشکلات پیش آتی ہیں اور انسان معصیت کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ صحت میں بگاڑ پیدا کرنے والے اہم عوامل میں سے ایک انٹرنیٹ ہے جو کہ غیر محرک زندگی کو فروغ دیتا

ہے۔لوگ سارا سارا دن انٹرنیٹ پر تفریح کے حصول کے لیے بیٹھے فلمیں، گانے اور ڈرامے وغیرہ دیکھتے ہیں۔اس غیر محرک نظامِ زندگی سے ان کا جسم رفتہ رفتہ کئی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور انھیں عاجزی آگھیرتی ہے جو کہ فرائض کی ادائیگی میں انکے لیے رکاوٹ بن جاتی ہے۔

دوست!تم لوگوں کو انٹرنیٹ پر ایسا دلفریب مواد مہیا کرو جو انھیں گھنٹوں بیٹھے رہنے پر مجبور کرے تاکہ وہ بیماریوں کا شکار ہوں اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتیں۔

اس کے علاوہ بے شمار برائیاں ہیں جو انٹرنیٹ اور اس کے متعلقات سے جنم لیتی ہیں۔سو تم جس قدر برائیوں کو ترویج دے سکو، تمھارے حق میں بہتر ہے۔

معاشی تنگی

سوالی: میرے آقا! کسی بھی انسان کی زندگی کا اچھا خاصا وقت معاش کی تلاش میں صرف ہوتا ہے۔ انسان زندگی کے ابتدائی دس سے بیس سال علم و فن کے حصول کے لیے وقف کرتا ہے تاکہ اسے اچھے ذرائع معاش میسر آجائیں۔ اس کے بعد وہ باقی زندگی کسی خاص پیشہ سے منسلک ہو کر گزار دیتا ہے جس میں وہ صبح سے شام تک کام کرتا ہے اور کئی مرتبہ راتوں کو بھی جاگتا ہے۔ زندگی کے اس دائرے میں تیرنے والا ہر شخص عموماً اسی کو مقصدِ حیات بنا لیتا ہے۔ اس کی سوچ محدود ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ذات کو ہی کل دنیا سمجھنے لگتا ہے۔

میرے آقا! لوگوں کی یہ سوچ ہمارے لیے بہت سودمند ہے کیونکہ وہ ہمارے لیے کسی معاملے میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ لالچ میں ہماری امداد بھی کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس سے آگے کی سوچ رکھتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے نکل کر کائنات کا سوچتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کیسے معاشی تنگی کا شکار کیا جائے تاکہ وہ بھی اپنی ذات میں گم ہو کر کائنات کے معاملات کو فراموش کر دیں۔ ایسے لوگ ہماری راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس رکاوٹ کو کیسے عبور کیا جائے؟

شیطان: دوست! مسلمانوں کو معاشی تنگی کا شکار کرنے کے لیے تم عالمی مالیاتی اداروں کو حرکت میں لاؤ اور مختلف حیلے حوالوں سے ان پر معاشی پابندیاں عائد کرو۔ ان پابندیوں اور

دیگر حربوں سے جب ان کی معیشت زوال کا شکار ہو جائے تو انسانی ہمدردی کے نام پر انھیں قرضے دے کر سود کے جال میں پھانس لو۔

دوست! پھر جو پنچھی اس جال میں ایک بار پھنس گیا اس کا نکلنا محال ہے۔ سود یوں پھیلاؤ کرتا ہے جیسے تیز گام بیل تھوڑے عرصے میں بڑی بڑی عمارتوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ایسے ملکوں کی کمائی کا بڑا حصہ سود کی ادائیگی میں صرف ہونے لگے گا اور وہ دن بدن مزید معاشی تنگی کا شکار ہوتے جائیں گے۔ پھر جب ملک کا ایسا حال ہو جائے گا تو یقیناً اس کا وبال عوام پر پڑے گا اور ان کے لیے ضروریات زندگی کا حصول کافی کٹھن ہو جائے گا۔ انھیں سارا سارا دن اور ساری ساری رات اس کے لیے تگ و دو کرنی پڑے گی۔ ایسے میں انھیں اپنی معاش سے آگے سوچنے کی فرصت تک نہ ملے گی اور یوں یہ رکاوٹ تمھارے راستے سے ہٹتی جائے گی۔

سوالی: میرے آقا! یقیناً یہ کلیہ کارآمد ہے اور ہم اسے ضرور استعمال میں لائیں گے مگر بعض مقامات پر یہ حربہ بھی ناکام ہوتا نظر آتا ہے۔ مثلاً چند مسلم ممالک ایسے ہیں جن پر یہ کلیہ آزمایا جا چکا ہے مگر کامیاب نہ ہوا۔ جیسے ایران تمام تر پابندیوں کے باوجود ہمارے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہے، افغانستان کی معاشی تنگی انھیں جہاد و قتال سے نہ روک سکی اور بے سروسامان قوم نے ہماری جدید اسلحہ سے لیس کثیر تعداد فوج کو شکست سے دوچار کیا۔

میرے آقا! ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے رہنمائی فرما دیجیے کہ اس جوانمردی کے پیچھے کون سا جذبہ ہے اور اسکا توڑ کیا ہے؟

شیطان: دوست! تو نے بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ ہر جگہ تجھے نظر آئیں گے اور انھیں تقویت دینے والی شے ایمان اور جہاد ہے۔ ایران اور

افغانستان کے معاملے میں یہ جذبہ ملکی سطح پر پایا جاتا ہے، اس وجہ سے انھیں شکست نہ دی جا سکی جبکہ باقی ملکوں میں یہ انفرادی سطح پر چند لوگوں میں پایا جاتا ہے جو کہ ہمارے لیے اتنا نقصان دہ نہیں ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے امن معاہدہ کرلو تاکہ نہ تم انھیں کچھ ضرر پہنچاؤ اور نہ وہ تمھارے لیے رکاوٹ بنیں، دوسرا مختلف چالوں سے انھیں جذبہء جہاد سے محروم کر دو تاکہ وہ لڑنے کی قوت کھو بیٹھیں، تیسرا ان کے اندر فساد برپا کر کے آپس میں دست و گریباں کر دو تاکہ وہ ایک دوسرے سے ہی لڑ کر ختم ہو جائیں۔ اس کے علاوہ تمھارے پاس کوئی چارہ نہیں۔ تم جتنا بھی قوت و اسلحہ جمع کرلو، ان کو شکست نہ دے سکو گے اور تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے۔

سوال: میرے آقا! آپ نے ملکی سطح اور انفرادی سطح کے جذبے کا الگ الگ تذکرہ فرمایا اور ملکی سطح کے جذبے کو مقدم قرار دیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

شیطان: دوست! جب کسی ملک کے چند لوگ جذبہء ایمانی سے معمور ہوتے ہیں تو اتنا مؤثر نہیں ہوتے کیونکہ اسی ملک میں اس زہر کا تریاق بھی موجود ہوتا ہے اور وہ انھیں غیر مؤثر بنا دیتا ہے۔ یعنی کسی ملک کے ایسے گروہ کے مخالفین اسی ملک میں موجود ہوتے ہیں جو ان کی جڑیں کاٹتے رہتے ہیں یا کم از کم وہاں موجود ہماری وفادار حکومتیں ان کا کام تمام کر دیتیں ہیں۔ اس کے برعکس جب کوئی ملک ایسے جذبہ سے معمور ہوتا ہے تو اس کا توڑ ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ عوام و حکومت، سب یک جان ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے نصرت و حوصلہ

پاتے ہیں۔ ان میں سے کسی طبقے کو خریدنا بھی ناممکن ہوتا ہے اور سازشوں کے تمام ترباب بند ہو جاتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! افغانی تو یک جاں نہیں تھے بلکہ وہ آپس میں دست و گریباں تھے۔ انھیں کس شے نے ناقابل شکست بنایا؟

شیطان: دوست! افغانستان پر حالیہ جنگ کے ابتدائی مرحلے میں ایسا وقت گزرا جب وہ آپس میں دست و گریباں تھے اور اس دور میں ہماری سازشیں کامیاب بھی ہوئیں، جب ہم نے ان کا تختہ الٹ کر اپنے وفادار حکمراں مسلط کیے۔ لیکن افغان مجاہدین نے اس ناکامی سے سبق سیکھا اور اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر متحد ہوئے اور ناقابل تسخیر ٹھہرے۔

سوالی: میرے آقا! مسلمانوں میں اسباب سے متعلق دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جب تک وہ معاشی طور پر مضبوط نہیں ہوں گے، فتح یابی ان کے قدم نہیں چوم سکتی جبکہ دوسرے گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

میرے آقا! ان میں سے کون سا گروہ ہمارے لیے زیادہ خطرے کا باعث ہے اور اسکا حل کیا ہے؟

شیطان: دوست! مسلمانوں کو ذرائع جنگ کے ساتھ تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ایک بات یاد رکھ کہ تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اکثر قلیل تعداد و وسائل والے لشکر کثیر تعداد و وسائل والے لشکروں پر غالب آئے ہیں۔

پہلا معرکہء حق و باطل جب بدر کے مقام پر پیش آیا تو اس میں مسلمان صرف دو گھوڑے اور 70 اونٹ لے کر کثیر آلاتِ حرب سے لیس لشکر کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور فتح نے ان کے قدم چومے اور دیگر جنگوں میں بھی مسلمان آلاتِ حرب کے اعتبار سے ہماری برابری نہ حاصل کر سکے لیکن پھر بھی فتح یاب ٹھہرے۔

ان حقائق سے ایک اہم نقطہ سامنے آتا ہے کہ مسلمانوں کو وسائل میں دوسروں کی برابری کا حکم نہیں ہے بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کا حکم ہے۔ پھر جب حالات جنگ کا تقاضا کریں تو نکل کھڑے ہوں چاہے وسائل قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

ان حقائق کے پیشِ نظر دوسرا گروہ ہمارے لیے زیادہ خطرے کا باعث ہے جو کہتا ہے کہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔ اور تو اس بے تیغ لڑنے والے گروہ کو افغانستان میں دیکھ بھی چکا ہے جن کی زنگ آلود بندقوں نے ہمارے جدید اسلحہ کو ناکام کر دیا۔ جبکہ پہلا گروہ بعض زاویوں سے ہمارے لیے سود مند ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کو جنگ و جہاد سے باز رکھتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! پہلا گروہ کیسے مسلمانوں کو جنگ و جہاد سے باز رکھتا ہے؟

شیطان: دوست! دورِ حاضر میں جب ہم نے مسلمانوں پر معاشی جنگ مسلط کی ہوئی ہے، ان کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ وسائل میں باقی دنیا کے مساوی ہو جائیں۔ جب وسائل میں برابری مشکل و ناممکن ہے تو پھر جنگ کو وسائل کی برابری سے مشروط کرنا، اس سے باز رکھنے کے مترادف ہو گا۔ پس تم اس گروہ کے نظریے کو عام کرو تا کہ مسلمان جنگ و جہاد سے باز رہیں۔

سوالی: میرے آقا! اسلام کی سابقہ عالمی حکومتوں جیسے اموی، عباسی اور عثمانی وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے پاس مثالی نظام معیشت موجود ہے۔ اس کے باوجود ہم مسلمانوں پر معاشی جنگ مسلط کرنے میں کیسے کامیاب ہوئے ہیں؟

شیطان: دوست! بالکل یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کے پاس مثالی نظام معیشت موجود ہے۔ ہماری کامیابی کا راز یہ ہے کہ ہم نے اس نظام کے تمام ممکنہ راستے روک دیے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! کیا مسلمان اس قدر بے ہمت ہو چکے ہیں کہ ان راستوں کو کھولنے کی تدبیر نہیں کرتے؟

شیطان: دوست! بہت سے مسلمان اسلامی نظام کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں لیکن دہشتگردی کے نام پر وہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ یہ اصل تدبیر ہے جس سے ہم نے اسلامی نظام کے غلبے کو روک رکھا ہے۔ ان کے حکمران ہماری مٹھی میں ہیں، جو بھی اسلامی نظام کے لیے راہیں ہموار کرنے نکلتا ہے قتل ہو جاتا ہے یا قیدی بن جاتا ہے۔

اب تم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے اکابرین کی اس کاوش کو جاری رکھو تاکہ اسلامی نظام کے حامی، یاجوج ماجوج کی طرح رکاوٹی دیوار کو چاٹنے میں ہمیشہ ناکام ٹھہریں۔

آزادی اظہار رائے

سوالی: میرے آقا! ایک گھر سے لے کر شہر، صوبہ، ملک یا دنیا کا نظام چلانے کے لیے مخصوص لوگوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بندہ ہر کام کے اہل نہیں ہوتا ورنہ انتخاب کے لیے معیار کے تعین کی ضرورت پیش نہ آتی۔ گھر کی سربراہی مرد کو سونپی گئی کیونکہ خدا نے اسے اسکا اہل بنایا ہے۔ اسی طرح ملکوں اور صوبوں کے سربراہوں کا بھی ان کی اہلیت کے مطابق انتخاب کیا جاتا ہے۔

جس طرح دیگر معاملات میں خدا نے لوگوں کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے اسی طرح معاملہ فہمی بھی ہر کسی کو ایک سی عطا نہیں کی۔ بعض لوگ بہت ذہین فتین ہوتے ہیں اور بعض بالکل بے عقل۔ میرے آقا! اس نشیب و فراز سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم کیسے آزادی اظہار رائے کے نام پر لوگوں کو ان معاملات پر اظہار رائے کے لیے ابھار سکتے ہیں جن کا وہ علم نہیں رکھتے یا جنھیں سمجھنے کے وہ اہل نہیں؟

شیطان: دوست! کسی بھی معاشرے یا ملک کے لیے یہ بہت مہلک وبا ہے کیونکہ اس سے سچائی کی موت واقع ہو جاتی ہے اور بہت سے باطل افکار اس معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ دنیا میں اسے عام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عالمی اداروں کے ذریعے آزادی اظہار رائے کے قوانین بناؤ اور دنیا کے ملکوں کو ان کی پیروی پر پابند کرو۔ اس کے علاوہ انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھی یہ ذمہ داری سونپ دو تاکہ وہ بھی اس وبا کو عام کرنے میں اپنے اثر و رسوخ

کو استعمال میں لائیں۔ پھر جو ملک خلاف ورزی کے مرتکب ہوں ان پر مختلف پابندیاں عائد کرو۔ تا کہ وہ آئندہ باز رہیں۔

سوالی: میرے آقا! آزادی اظہار رائے سے کیا کیا ممکنہ فائدے لیے جا سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! دورِ حاضر میں جب دنیا کے ایک کونے کی آواز دوسرے کونے میں باآسانی سنائی دیتی ہے تو ایسے میں آزادی اظہار رائے بہت مؤثر ہتھیار ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں کو درج ذیل معاملات پر من چاہی رائے پیش کرنے کے لیے ابھارو تا کہ عوام کے ذہنوں کو تذبذب کا شکار کیا جا سکے:-

1۔ مذہبی عقائد و معاملات

دوست! مذہبی عقائد و معاملات کے فہم کے لیے باقاعدہ علم حاصل کرنا پڑتا ہے اس کے بغیر انسان اس معاملے میں اندھا ہوتا ہے۔ آزادی اظہار رائے کے نام پر جب ایسا شخص دین پر بات کرے گا تو یقیناً کم فہمی کی وجہ سے حقائق کو بدل دے گا۔ اسی طرح جب بہت سے لوگ اس کام میں ملوث ہوں گے تو یقیناً دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ چھوڑیں گے اور معاشرہ یا ملک انتشار کا شکار ہو جائے گا اور پیچیدگیوں کے باعث، دین سے ان کا اعتبار اٹھتا جائے گا۔

مثلاً اسلام نے گھریلو معاملات کو بطریق احسن چلانے اور دیگر حکمتوں کے بنا پر مرد کو عورت پر فوقیت دی ہے اور یہ قرآن کا فیصلہ ہے جس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ اب جب دنیا میں کہیں اسلامی نظام قائم نہیں اور کوئی حکومت حکم اللہ کی حرمت کے لیے کھڑی نہیں ہوتی، جاہل لوگوں میں اسے موضوع بحث بناؤ۔ بعض کہیں گے کہ مرد و عورت برابر ہیں، بعض کہیں گے کہ مرد مقدم ہے جبکہ بعض عورت کو مقدم قرار دیں گے اور یہ خاطر میں نہ

لائیں گے کہ اس معاملے میں خدا کا کیا فیصلہ ہے۔ پچھلی امتیں بھی اسی رویے کے باعث تباہ ہوئیں اور مسلمانوں کو بھی ہم نے اس نقطے پر لانا ہے کہ خدا انھیں آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر دے یا ہمارے ہاتھوں انھیں ذلت کا مزہ چکھائے۔

2۔ ملکی ادارے و قوانین

دوست! کسی بھی ملک کا آئین، ماہرین قانون کی انتھک کاوشوں سے سالوں میں مرتب ہو پاتا ہے۔ بعد ازاں اسی قانون کی روشنی میں روز مرہ کے معاملات نمٹائے جاتے ہیں۔ عوام میں سے کئی لوگ کم فہمی کی وجہ سے ان قوانین یا ان کی روشنی میں کیے جانے والے فیصلوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس سے ملکی ادارے کمزور ہوتے ہیں اور تنقید سن سن کر عوام کا بھی ان سے اعتبار جاتا رہتا ہے۔ ایسی فضا کسی بھی ملک کو اندرونی طور پر کھوکھلا کر دیتی ہے اور وہ ترقی کے سفر میں اوروں سے بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ دوست! جن ممالک سے تمھیں کسی طرح کا خطرہ ہو انھیں اس حربے سے زیر کرو۔

3۔ مقدسات کی توہین

دوست! انسان جن چیزوں کو مقدس سمجھتا ہے، فطری طور پر اسے ان سے عقیدت ہوتی ہے۔ اس عقیدت میں جو لوگ اس کے ہم خیال ہوتے ہیں ان سے محبت رکھتا ہے جبکہ مخالفت کرنے والوں کو دشمن جانتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ان مقدسات کے بارے میں بہت حساس ہوتا ہے اور ضرورت سے زائد ان کا احترام کرتا ہے۔ مثلاً مسلمان قرآن کے بارے میں بہت حساس ہیں اور اسکا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ بے وضو چھوتے تک نہیں۔ اسی ادب و احتیاط کے باعث مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کی اہمیت قائم ہے۔ اگر آزادی اظہار

رائے کے نام پر قرآن اور دیگر مقدسات کو مسلسل بے حرمتی کا نشانہ بنایا جائے تو رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کی اہمیت جاتی رہے گی اور وہ انھیں ضرورت سے زائد اہمیت دینا چھوڑ دیں گے۔ ابتداء میں وہ کہیں بے حرمتی کا سنیں گے تو غم وغصے سے انکے کلیجے پھٹنے لگیں گے، رفتہ رفتہ وہ اس مقام پر پہنچ جائیں گے کہ قرآن کی بے حرمتی کو یوں اطمینان سے سنیں گے جیسے دیگر خبریں سنتے ہیں۔ جب اس مقام پر پہنچ جائیں تو سمجھ جانا کہ تمھارا فرض پورا ہو چکا اور مسلمانوں کی ہلاکت قریب ہے۔

سوالی: میرے آقا! آزادی اظہار رائے سے جہاں ہم اسلام کو نشانہ بنائیں گے وہاں لازمی طور پر مسلمان بھی اس ہتھیار کو ہمارے خلاف استعمال میں لائیں گے۔ ایسے میں بچاؤ کی کیا تدبیر ہے؟

شیطان: دوست! مسلمان لاکھ کوششیں کریں، ان کی چیخ و پکار اپنے کان پھاڑنے کے سوا کچھ سودمند نہ ہوگی۔ جب عالمی تنظیمیں تمھارے ٹکڑوں پر پلتی ہیں، جب دنیا بھر کا میڈیا تمھارے اشاروں پر دم ہلاتا ہے، جب سارے حکمران تمھارے ہی تسبیح خواں ہیں، تو پھر مسلمان اپنا چاک گریباں کس رفوگر کو دکھائیں گے۔ کون ان کی رائے پر کان دھرے گا؟ کون ان کی تنقید کو نشر کرے گا؟

پس تم اس معاملے میں بے خطر ہو کر مسلمانوں کے عقائد، عبادات، معاملات، قانون اور مقدسات کو نشانہ تنقید بناؤ اور اسلام کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔

سوالی: میرے آقا! کسی بھی ہدف کو نشانہ بنانے کے لیے اس کے خدوخال کا اچھی طرح معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ عین ممکن ہے کہ تمام تر کاوشوں کے باوجود نشانہ خطا ہو جائے۔ اس

حقیقت کے پیشِ نظر آزادی اظہار رائے کا تصور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کر دیجیے۔

شیطان: دوست! قرآن کے نزول کا آغاز "اقراء" سے ہوا یعنی انسان کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر اسے غرور و تکبر سے بچانے کی خاطر فرما دیا: "تمھیں علم نہیں دیا گیا مگر بہت تھوڑا۔" اس لاعلمی کے احساس کے بعد اسے علماء کی چوکھٹ کا راستہ دکھاتے ہوئے فرمایا:" اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔"

مسلمان جب ان مراحل سے گزر کر عملی زندگی میں آتا ہے تو اس کی رائے شریعت کے گلشن میں پابند نظر آتی ہے۔ پھر جہاں وہ علم و فہم کی قلت پاتا ہے، اہل علم کی چوکھٹ پر حاضر ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ مسلمان کی آزادی اظہار رائے محل شریعت کی پابند رہتی ہے۔ اوراسکی زبان لہو ولعب سے محفوظ رہتی ہے اور حق بات بلا جھجک بیاں کرتی ہے۔ ایسے میں ایک شہری حکمرانِ وقت سے اس کے کپڑوں کے بارے میں سوال کرتا ہے اور حکمران بلا غم و غصہ ثبوت پیش کرتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تصورِ آزادی اظہار رائے نہایت معنی خیز اور اثر انگیز ہے۔ مسلمانوں کو اس خزانے سے محروم کرنے کے لیے ہمیں علمی و عملی میدانوں میں برابر جد وجہد درکار ہو گی۔ اور آزادی اظہار رائے مہم کو مسلمانوں کی تنقید سے بچانے کے لیے اسے کافی زیبائش و آرائش کی ضرورت ہو گی کیونکہ انکے پاس جو نظام ہے وہ نہات خوبرو ہے۔ بلا سجاوٹ و بناوٹ ہماری مہم انھیں متاثر نہ کر سکے گی۔

شیطان: دوست! تم نے اپنی مہم کا حصہ دو گروہوں کو بنانا ہے۔ ایک وہ جو پہلے ہی تمھاری صفوں میں موجود ہیں اور اسلام دشمنی بھی رکھتے ہیں اور دوسرا مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو دنیوی تعلیم تو رکھتے ہیں لیکن دینی تعلیم سے سراسر محروم ہیں۔ جدید تعلیم نے اسلام دشمنی کے لیے ان کے ذہنوں کو پہلے ہی نرم کر چھوڑا ہے، بس تمھیں ضرورت کے مطابق بیج بونا ہے۔ پہلے گروہ کو اپنی دشمنی کے اظہار کے لیے صرف پلیٹ فام درکار ہے جہاں سے وہ اپنی رائے دنیا تک پہنچا سکیں جبکہ دوسرے گروہ کو پلیٹ فام مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ امداد اور حوصلہ افزائی کی بھی ضرورت ہو گی ۔ باقی مسلمانوں پر وقت ووسائل صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔

مختصر یہ کہ تو اپنے مقاصد کو مد نظر رکھ کر آگے بڑھ۔ اس معاملے میں تیرے دو مقاصد ہیں؛ ایک یہ کہ آزادی اظہار رائے کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں پر کیچڑ اچھالنا اور دوسرا مسلمانوں میں اسلام کے متفقہ معاملات پر آزادی اظہار رائے کو رواج دینا تاکہ وہ احکام شریعت کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو کر غافل اور بے عمل ہو جائیں۔

جھوٹ

سوالی: میرے آقا! جب آپ کا مقصد انسانیت کو جہنم کے راستے پر لگانا ہے تو پھر جھوٹ کا سہارا کیوں نہ لیا جائے جس کے بارے میں مسلمانوں کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:" جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔"(جامع الترمذی)

شیطان: میرے دوست! تو کیا سمجھتا ہے کہ میں اس چال سے غافل ہوں؟ ہر گز نہیں۔ میں تجھ سے بہتر جانتا ہوں اور ہر دور میں اسے استعمال میں لاتا رہا ہوں۔ خدا نے انسان کو مختلف ساختوں پر پیدا کیا ہے۔ اس لیے ہر کسی کو ایک ہی چھڑی سے نہیں ہانکا جا سکتا اس لیے جھوٹ کے علاوہ دیگر جال بھی ڈالنے پڑتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! لوگوں میں جھوٹ کو کیسے عام کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست! سب سے پہلے تجھے کسی بھی معاشرے میں جھوٹ سے روکنے والی طاقتوں کو کمزور کرنا ہے۔ عام طور پر کس بھی گناہ سے روکنے والی دو قوتیں ہوتی ہیں؛ ایک زمینی اور دوسرا آسمانی۔ زمینی قوتوں میں معاشرے کے عام لوگ، حکومت اور ادارے شامل ہیں جبکہ آسمانی قوتوں میں خوفِ خدا ہے۔ لوگوں کے ایمان کو بے یقینی سے بدل دو خوفِ خدا جاتا رہے گا اور لاقانونیت سے زمینی رکاوٹیں بھی کمزور پڑھ جائیں گیں۔ پھر تو دیکھے گا کہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ بولنے لگیں گے۔

سوال: میرے آقا! کوئی بلاوجہ جھوٹ کیوں بولے گا؟ کیا ایسے حالات تیار کرنا ضروری نہیں جن کی وجہ سے لوگ جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائیں؟

شیطان: دوست! انسان کو پیدا ہی مشقتوں میں کیا گیا ہے اور کسی کو تو بے نیاز نہ دیکھے گا۔ غریب کو اگر غریبی جھوٹ بولنے پر مجبور کر رہی ہے تو امیر کو لالچ جھوٹ اور فراڈ کے لیے اکسا رہا ہے۔ اس لیے تجھے صرف رکاوٹیں ہٹانی ہیں، حالات تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں۔

سوال: میرے آقا! مشرقی معاشرے میں جھوٹ سے روکنے والی دو قوتیں ہیں یعنی زمینی بھی اور آسمانی بھی، جبکہ مغربی معاشرے میں صرف زمینی قوت ہی ہے کیونکہ وہ خدا کو کم ہی مانتے ہیں۔ اس کے باوجود مغربی معاشرے میں جھوٹ بنسبت کم کیوں ہے؟

شیطان: دوست: دراصل حقائق اس کے برعکس ہیں لیکن میرے دوستوں کی ہنر مندی کا یہ کمال ہے کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی معاشرہ بہت مہذب ہے۔ اس جادوگری میں کلیدی کردار میڈیا کا ہے جو کہ آج کے دور میں ہمارا اہم ترین ہتھیار ہے۔ علاوہ ازیں تیری بات کچھ کچھ ٹھیک بھی ہے کیونکہ مغربی معاشرے میں خوفِ خدا نہ سہی قانون کی بالادستی ضرور ہے جبکہ مشرقی معاشرے میں نہ قانون کی بالادستی ہے نہ ہی خوفِ خدا۔

سوال: میرے آقا! جھوٹ سے کیا کیا ممکنہ خرابیاں جنم لیتی ہیں؟

شیطان: دوست! جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس سے معاشرے میں بے اعتباری کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

سوال: معاشرے میں بے اعتباری کے کیا منفی اثرات ہوتے ہیں؟

شیطان: دوست! بے اعتباری خوف کو جنم دیتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے معاملہ کرنے میں گھبراتے ہیں اور اگر کر لیں تو پچھتاتے ہیں۔ نتیجتاً معاشرہ بد امنی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! حدیث نبوی ﷺ کی کتاب صحیح البخاری کی ایک روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ (رات میں) ایک شخص اچانک میرے پاس آیا اور غلہ میں سے لپ بھر بھر کر اٹھانے لگا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ قسم اللہ کی! میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلوں گا۔ اس پر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں بہت محتاج ہوں۔ میرے بال بچے ہیں اور میں سخت ضرورت مند ہوں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا (اس کے اظہار معذرت پر) میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا، اے ابوہریرہ! گذشتہ رات تمہارے قیدی نے کیا کیا تھا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے سخت ضرورت اور بال بچوں کا رونا رویا، اس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا۔ اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے۔ اور وہ پھر آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے کی وجہ سے مجھ کو یقین تھا کہ وہ پھر ضرور آئے گا۔ اس لیے میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ اور جب وہ دوسری رات آ کے پھر غلہ اٹھانے لگا تو میں نے اسے پھر پکڑا اور کہا کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کروں گا، لیکن اب بھی اس کی وہی التجا تھی کہ مجھے چھوڑ دے، میں محتاج ہوں۔ بال بچوں کا بوجھ میرے سر پر ہے۔ اب میں کبھی نہ آؤں گا۔ مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے پھر چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! تمہارے قیدی نے

کیا کیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے پھر اسی سخت ضرورت اور بال بچوں کا رونا رویا۔ جس پر مجھے رحم آ گیا۔ اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے اور وہ پھر آئے گا۔ تیسری مرتبہ میں پھر اس کے انتظار میں تھا کہ اس نے پھر تیسری رات آ کر غلہ اٹھانا شروع کیا، تو میں نے اسے پکڑ لیا، اور کہا کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچانا اب ضروری ہو گیا ہے۔ یہ تیسرا موقع ہے۔ ہر مرتبہ تم یقین دلاتے رہے کہ پھر نہیں آ ؤ گے۔ لیکن تم باز نہیں آئے۔ اس نے کہا کہ اس مرتبہ مجھے چھوڑ دے تو میں تمہیں ایسے چند کلمات سکھا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ میں نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا، جب تم اپنے بستر پر لیٹنے لگو تو آیت الکرسی «اللہ لا إله إلا هو الحي القيوم» پوری پڑھ لیا کرو۔ ایک نگراں فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔ اور صبح تک شیطان تمہارے پاس کبھی نہیں آ سکے گا۔ اس مرتبہ بھی پھر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، گذشتہ رات تمہارے قیدی نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے مجھے چند کلمات سکھائے اور یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے فائدہ پہنچائے گا۔ اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اس نے بتایا تھا کہ جب بستر پر لیٹو تو آیت الکرسی پڑھ لو، شروع «اللہ لا إله إلا هو الحي القيوم» سے آخر تک۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر (اس کے پڑھنے سے) ایک نگراں فرشتہ مقرر رہے گا۔ اور صبح تک شیطان تمہارے قریب بھی نہیں آ سکے گا۔ صحابہ خیر کو سب سے آگے بڑھ کر لینے

والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی یہ بات سن کر) فرمایا کہ اگرچہ وہ جھوٹا تھا۔ لیکن تم سے یہ بات سچ کہہ گیا ہے۔ اے ابوہریرہ! تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ تین راتوں سے تمہارا معاملہ کس سے تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔

میرے آقا! کیا آپ نے واقعی ابوہریرہ سے تین دفعہ جھوٹ اور ایک دفعہ سچ بولا تھا؟ اگر ہاں تو پھر اس میں کیا حکمت تھی؟

شیطان: دوست! خدا نے انسان کو امتحان کے لیے پیدا کیا ہے اور میری تخلیق اسکے امتحان کا ایک جزو ہے۔ مجھے خدا نے اختیار ضرور دیا ہے مگر میں اس کے اختیار سے باہر تو نہیں ہوں۔ اس لیے وہ جب چاہتا ہے اپنے بندوں کی بھلائی کے لیے مجھ سے حق بات بھی کہلوا دیتا ہے۔

نفاق

سوال: میرے آقا! اسلامی تاریخ کے ابتدا میں کچھ منافق پیدا ہوئے جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خاطر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ دورِ حاضر میں کیا اس طرح کا نفاق کارآمد ہے یا اس کی نوعیت بدل گئی ہے؟

شیطان: دوست! نفاق کی دو اقسام ہیں۔ ایک کو اعتقادی نفاق کہتے ہیں اور دوسرے کو عملی نفاق۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اعتقادی نفاق آج کی بنسبت زیادہ تھا کیونکہ مختلف عقائد کے لوگ ایک ساتھ رہتے تھے۔ اسلام کو جب غلبہ حاصل ہوا تو کئی لوگ خوف سے اور بعض سازش کی نیت سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر پھرنے لگے۔ آج جب مختلف عقائد کی بنیاد پر ملک بن گئے تو اس نفاق کی خاص حاجت نہ رہی۔

عملی نفاق اسلام کے ابتدائی دور کی بنسبت آج کئی گنا زیادہ ہے۔ میں اسے ہر دور میں وسوسوں کے ذریعے ہوا دیتا رہا ہوں اور آج صرف یہی نفاق کار آمد ہے۔

سوال: میرے آقا! عملی نفاق آج کیسے کارآمد ہے؟

شیطان: دوست! عملی نفاق سے ایک تو انفرادی سطح پر لوگوں کے اعمال برباد ہوتے ہیں۔ وہ اپنی عبادتوں اور ریاضتوں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی حصہ دار بناتے ہیں یعنی خدا کی

رضا کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔ ایسی ملاوٹ سے ان کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

دوسرا حکومتی سطح پر نفاق سے حکمران اپنا اقتدار بچاتے ہیں۔ یہ ایک شدید ترین عملی نفاق ہے جو کہ اعتقادی نفاق کے قریب ترین ہے۔

سوالی: میرے آقا! حکمران اس نفاق سے کیسے اپنا قتدار بچاتے ہیں؟

شیطان: دوست! تو جانتا ہے کہ دنیا پر اس وقت میرے دوستوں کی حکمرانی ہے اور انھی کی تدبیروں سے غلبہء کفر جاری وساری ہے۔ یہ غلبہ دنیا بھر کے حکمرانوں کی غلامی کے آسرے قائم ہے۔ یہاں غلامی سے مراد یہ ہے کہ وہ باطل اقدار کے حمایتی ہوں اور اس کے خلاف بغاوت کے لیے نہ کھڑے ہوتے ہوں۔

جن ملکوں میں عوام بھی باطل اقدار کے پیروکار ہیں وہاں تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن جن علاقوں میں مسلمان آباد ہیں، وہاں کے حکمرانوں کے لیے اقتدار بچانا بڑا کڑی امتحان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جب باطل کی حمایت کرتے ہیں تو عوام بغاوت پر اتر آتی ہے اور جب حق کی حمایت کرتے ہیں تو یہاں سے خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہو جاتی ہے۔ ان دوطرفہ خطرات سے نمٹنے کے لیے وہ درمیانی راہ تراشتے ہیں اور وہ نفاق کی راہ ہے۔

ایک طرف وہ دینی تقریبات کا انعقاد کرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اسلام پر حملہ کی صورت میں گونگے بن جاتے ہیں۔ پہلا فعل اسے لیے کہ عوام ان کے ایمان پر شک نہ کریں اور دوسرا فعل اس لیے کہ مغربی آقا انھیں دھتکار نہ دین۔ اسی لیے یہ نفاق، اعتقادی نفاق کے قریب تر ہے کیونکہ فعل خالصتاً لوگوں کے لیے کیا جارہا ہوتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! کیا مسلمان عوام، حکمرانوں کے اس رویے سے آگاہ نہیں؟

شیطان: دوست! وہ آگاہ تو ہیں مگر ساتھ بے بس بھی ہیں۔

سوالی: کیسی بے بسی میرے آقا؟

شیطان: دوست! زیادہ تر لوگ حکمرانوں کے اس نفاق سے آگاہ ہیں مگر چند لوگ ان کے فریب میں آجاتے ہیں۔ ان میں کئی بااثر شخصیات بھی ہوتی ہیں جو بغاوت کے رستے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ وہ اگر مذہبی شخصیات ہوں تو حکومت سے وفاداری کے فتوے جاری کر دیتے ہیں اور بغاوت کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ ایسے فتوے لوگوں کو کسی قسم کی انقلابی تحریک سے روک لیتے ہیں اور وہ چند دن شور وغل کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! ہم اس میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

شیطان: دوست! تم ان حکمرانوں پر اپنا رعب جمائے رکھو اور دوسری طرف مسلمانوں کو بغاوت سے بچانے کے لیے خود بھی اقدامات کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مذہبی رہنماؤں میں ایسے لوگ تلاش کرو جو تمھارے نظام کے بارے میں کچھ نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ انھیں ملکی اور عالمی اعزازات سے نوازو اور انھیں عہدے بھی دو۔ اگر وہ پرخلوص بھی ہوئے تو تمھاری یہ کرم نوازی انھیں بہت سے معاملات میں نفاق پر مجبور کر دے گی اور وہ مسلمانوں کو تم پر حملہ آور ہونے سے باز رکھیں گے۔

اس کے علاوہ جو بنیاد پرست مذہبی رہنما ہیں انھیں بدنام کرو اور ان پر عالمی پابندیاں عائد کرو تاکہ وہ بڑے پیمانے پر تمھارے خلاف کوئی حکمت عملی نہ بنا سکیں۔

سوالی: کیا عوامی نفاق بھی ہمارے لیے کارآمد ہے؟

شیطان: دوست! حکومتی نفاق کی بنسبت کم سہی مگر کار آمد ضرور ہے۔ عوام جب نفاق کا شکار ہو جاتے ہیں تو انکا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے کیونکہ انکا عمل خالص اللہ کے لیے نہیں رہتا۔ ایسے میں وہ ہمارے خلاف عملی جدوجہد کرنے کے قابل نہیں رہتے اور ان کی کوششیں صرف باتوں تک محدود رہ جاتی ہیں اور اس میں بھی کسی حد تک نفاق کی آمیزش ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں سے پھر ہمارے نظام کو کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

سوالی: میرے آقا! جیسے پہلے آپ نے ذکر فرمایا کہ اعتقادی منافق مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی خاطر اسلام کا لبادہ اوڑھتا لیکن حقیقت میں وہ کافر ہوتا ہے۔ کیا ایسا مسلمانوں میں بھی ہے کہ وہ کفر کا لبادہ اوڑھتے ہوں کافروں کو ضرر پہنچانے کی خاطر؟

شیطان: دوست! مسلمانوں میں ایسا بہت کم ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ آزاد خیال مسلمانوں کے حلیہ میں ہمیں ضرر پہنچاتے ہیں۔ آزاد خیال مسلمان دراصل وہ طبقہ ہے جو اسلام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں اس لیے ہم بھی انھیں دوست رکھتے ہیں اور انھیں ہر ممکن مدد بھی فراہم کرتے ہیں۔

اب بعض باعمل مسلمان، آزاد خیال مسلمانوں والا حلیہ اپنا لیتے ہیں اور ہماری امداد کو ہمارے ہی خلاف استعمال کرتے ہیں اور ہمیں معلوم بھی نہیں ہونے دیتے۔ پچھلی صدی میں ایسا ہی ایک شخص گزرا ہے جس کا نام اقبال تھا۔ وہ آزاد خیال مسلمانوں کے حلیہ میں ہماری صفوں میں گھسا، درسگاہوں میں گیا اور تہذیب کو قریب سے دیکھا۔ جب واپس لوٹا تو مدح سرائی کی بجائے ہماری بدنمائی کو اپنی شاعری میں بے نقاب کر گیا۔ جب تک ہم اسے پہچان پائے وہ ایک مقام بنا چکا تھا، قومی شاعر کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔ اگر ہمیں وقت سے معلوم ہو جاتا تو

ہم اسے کبھی بھی قومی شاعر کا درجہ حاصل نہ کرنے دیتے۔ بس اس کا حلیہ ہمیں فریب دے گیا۔ سو ایسے لوگ ہر دور میں پائے گئے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! ایسے لوگوں سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

شیطان: دوست! آزاد خیال مسلمانوں کو نوازنے سے پہلے اچھی طرح پر کھا جائے اور ساتھ ساتھ ان کی نگرانی بھی کی جائے۔ لیکن اگر وہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر ایک طریقہ ہے جس سے تم انھیں کسی حد تک اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے ہو۔

وہ جب غیر اسلامی حلیہ میں اسلام کی ترجمانی کریں گے تو کچھ لوگ انھیں قبول کریں گے اور کچھ ان سے اختلاف رکھیں گے۔ اس فضا میں غلط نظریات اور شکوک و شبہات کو ہوا دو۔ مثلاً جب سنت کی پیروی کی بات ہو تو اقبال کی مثال پیش کر دو کہ وہ بھی تو تھا جس نے داڑھی نہیں رکھی ہوئی تھی پھر بھی مقبول ولی تھا۔ اب اس کی ولایت کو تو پہلے ہی مسلمان قبول کرتے ہیں لیکن سنت کو غیر ضروری قرار دینے کے لیے تم اسے حجت کے طور پر پیش کر دو۔ اسی طرح جب کسی عالم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو علماء کو تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے اقبال جیسے لوگوں کی مثال پیش کر دو کہ وہ بغیر داڑھی کے کیسا باعمل مسلمان تھا اور یہ داڑھی والے کیا کر رہے ہیں۔

سو اس طریقے سے ان چالباز مسلمانوں کو اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے ہو۔

سوالی: میرے آقا! نفاق کا زہر مسلمانوں میں کیسے پھیلایا جائے؟

شیطان: دوست! دیگر وباؤں کی طرح اسکا بھی سرچشمہ لاعلمی ہے۔ مسلمان جب روح و نفس کی نزاکتوں سے ناواقف ہوں گے تو یقیناً نفس کے ہاتھوں فریب خوردہ ٹھہریں گے۔ نفس

چونکہ دنیا کی آسائشوں کا طالب ہے اس لیے مکر و فریب سے کام لیتا ہے۔ اس مکر کو لاعلم لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور کئی مرتبہ اسے حق جان رہے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں بھی وسوسوں کے ذریعے نفس کی آرزو کو تقویت دیتا ہوں۔ بالآخر انسان دیگر برائیوں کی طرح نفاق میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار وہ اس مرض سے واقف بھی ہوتا ہے مگر اکثر بے خبر رہتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! منافق اکثر نفاق سے بے خبر کیوں رہتا ہے؟

شیطان: دوست! جیسے ظاہر کے معاملات کو جاننے اور جانچنے کے لیے آنکھ کی حاجت ہوتی ہے، اسی طرح باطن کے معاملات کو سمجھنے کے لیے دل کی بینائی چاہیے۔ نفاق چونکہ باطنی بیماری ہے اس لیے اکثر لوگ جو اس مرض میں مبتلا ہیں، اس سے بے خبر ہیں کیونکہ وہ دل کی بینائی سے محروم ہیں۔

دوست! نفاق کی تمام تر پیچیدگیاں تم سے بیان کر دی ہیں۔ پس تم حکمت سے کام لو اور کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

تکبر

سوالی: میرے آقا! تکبر کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ انسان حق بات تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ سامنے کھڑا شخص حق بات کر رہا ہے لیکن تکبر اسے منہ پھیرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایسے میں یہ ایک بڑی مہلک بیماری ہے جس سے لوگوں کو حق کے انکار پر لگایا جا سکتا ہے۔ میرے آقا! یہ بیماری کیسے پروان چڑھتی ہے اور انسان اسے کب دل میں جگہ دیتا ہے؟

شیطان: دوست! تکبر ہی کی وجہ سے میں راندہ درگاہ ہوا۔ یہ ایک ایسا ناسور ہے جس سے عالم و جاہل، عابد و عاصی، امیر و فقیر، الغرض ہر کوئی متاثر ہو سکتا ہے۔ عالم و عابد کو علم و عمل کا تکبر گھیر لیتا ہے، جاہل و عاصی ہر سمت سے اس بیماری کی زد میں ہوتے ہیں، امیر دولت و قوت کے تکبر میں پھنس جاتا ہے، غریب جہالت کے سائے میں خود پسندی کے بت تراش کر تکبر کرتا ہے۔ تمام متاثرہ فرقے اپنے اپنے مقام پر علم و عمل میں غفلت کی بنا پر اس بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ اسی غفلت سے یہ بیماری پروان چڑھتی ہے اور یہی تکبر کے لیے انسان کے دل میں راستہ بناتی ہے۔

سوالی: میرے آقا! عمل کی غفلت تو واضح ہے۔ علم کی غفلت کیسے تکبر کا باعث بنتی ہے؟

شیطان: دوست! ایک تو وہ شخص ہے جو علم سے بالکل غافل ہے، اس کی ہلاکت تو ظاہر ہے۔

اس کے علاوہ وہ شخص جو کچھ علوم سیکھ لیتا ہے اور باقی سے انجان رہتا ہے یعنی چو طرفہ دفاع نہیں لیتا، وہ ہمارے لیے راستے کھلے رکھتا ہے اور میرے لشکری اس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! عالم نے تو ہر سمت سے دفاع لیا ہوتا ہے پھر وہ کہاں شکست کھاتا ہے؟

شیطان: دوست! ایسے عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے سانپ کے ننانوے راستے بند کر دیے اور ایک اس گمان سے چھوڑ دیا ہے کہ آخر اس سے کہاں سانپ آئے گا اور وہ اسی سے آکر اسے ڈس لے۔ عالم اکثر جس سوراخ سے ڈسے جاتے ہیں وہ ریاو غرور کا ہے۔ عالم چونکہ روزانہ کوئی نہ کوئی علمی خدمات سرانجام دے رہا ہوتا ہے اس لیے اسے روز غرور و تکبر اور دیگر حملوں سے دفاع لینا ہوتا ہے لیکن وہ غفلت کی وجہ سے کبھی کبھار بے دفاع ہی میدانِ عمل میں اتر آتا ہے۔ اس موقع کو غنیمت جان کر نفس بھی حملہ کرتا ہے اور میرے لشکری بھی اور عقل کو قیدی بنا لیتے ہیں۔ عقل جب قید ہو جاتی ہے پھر سفید و سیاہ کی پہچان انسان کے لیے مشکل ہو جاتی ہے۔ پھر نفس چونکہ لذتوں کا متلاشی ہوتا ہے اس لیے انسان کو ریاو غرور میں لگا دیتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! دیگر برائیوں کی بنسبت عالم زیادہ ریاو غرور سے کیونکر متاثر ہوتا ہے؟

شیطان: دوست! عالم عموماً ظاہری علوم کی تعلیم دے رہا ہوتا ہے۔ جیسے وضو و نماز کا طریقہ، لین دین کے معاملات اور خوشی و ماتم کی رسومات وغیرہ۔ اس لیے اسکا دل ان معاملات میں نصیحت حاصل کرتا رہتا ہے اور نفس کو قابو رکھتا ہے۔ لیکن ریاو غرور کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کا ذکر دیگر اسباق میں سرسری سا آجاتا ہے جو کہ دل کی پاکیزگی کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ اس لیے ایک عالم کو علیحدہ سے صرف اپنی اصلاح کے لیے ان قلبی بیماریوں کے بارے

میں پڑھنا پڑتا ہے تا کہ دل نصیحت حاصل کرے لیکن اکثر عالم ایسا نہیں کرتے اور اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھتے ہیں۔

دوست! لوگوں کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھاؤ اور انھیں گناہوں میں مبتلا کرو۔ اسی خاطر تمھارے سامنے میں یہ نقطے کھول کھول کر بیان کر رہا ہوں۔

سوالی: میرے آقا! تکبر کے معاشرے پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

شیطان: دوست! متکبر شخص اپنے آپ کو اوروں سے افضل خیال کرتا ہے اور غرور ہی کی وجہ سے نصیحت بھی قبول نہیں کرتا۔ پھر جب ایسے لوگ ایک معاشرے میں بڑھ جاتے ہیں تو فتنہ وفساد کا باعث بنتے ہیں۔ اپنا سر اونچا رکھنے اور دوسرے کو جھکانے کے آرزومند رہتے ہیں اور اسی خیال میں شب وروز کاٹتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں ہمیں بغیر کوشش کے بہت سی کامیابیاں حاصل ہونے لگتی ہیں۔

ناانصافی

سوال: انصاف کسی بھی معاشرے کے امن و امان اور استحکام کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے بغیر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر کسی معاشرے کو غیر مستحکم بنانا ہو تو اس کے لیے مؤثر ترین راستہ یہی ہے کہ اسے انصاف کی دولت سے محروم کر دیا جائے۔

میرے آقا! اس پر آپ کی کیا رائے ہے اور کون کون سے طریقے ہیں جن سے کسی معاشرے کو انصاف سے محروم کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست! تو نے درست فرمایا کہ انصاف کے بغیر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔

کسی بھی معاشرے کو انصاف سے محروم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے عوامل کو پروان چڑھایا جائے جو انصاف کو رخصت ہونے پر مجبور کر دیں۔ جیسے کوئی صراحی آب سے لبریز ہو اور اس میں کنکریاں ڈالی جائیں تو جوں جوں کنکریوں کا حجم بڑھتا جائے گا تو تو آب صراحی سے بہتا جائے گا۔

دوست! میں تجھے ان کنکریوں کا ذکر کر دیتا ہوں جو معاشرے کی صراحی میں اگر پھینکی جائیں تو انصاف کو بہنے پر مجبور کر دیں گیں اور اسے غیر مستحکم بنانے میں مدد گار ثابت ہوں گیں۔

1۔ **غریب و امیر میں تفریق**

دوست! ازل سے میں انسانیت کو اس جال میں پھانستا آیا ہوں اور بہت سے لوگ اسی جرم میں تباہی کا شکار ہوئے۔ انسان جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے اور اس پر حد جاری ہو جاتی ہے تو ایسے میں اس شخص اور اسکے متعلقین کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی صورت سزا معاف ہو جائے۔ غریب اکثر اپنی کمزوری کے باعث سر تسلیم خم کر لیتے ہیں اور انھیں سزا دے دی جاتی ہے جبکہ امیر اپنے رعب و جلال اور مال و منال سے عدلیہ کو مرغوب کرنے اور خریدنے کی جدوجہد کرتے ہیں اور اکثر کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ نبی محمد ﷺ کے ساتھ پیش آیا جب ایک معزز قبیلے کی خاتون نے چوری کی اور آپ ﷺ سے اس کی معافی کی سفارش کی گئی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے والے صرف اس وجہ سے ہلاک کیے گئے کہ ان میں جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر محمد مصطفیٰ کی دختر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

دوست! اس سے تجھے اندازا ہو گیا ہو گا کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اسے رواج دینے کے لیے دونوں طرف تجھے محنت درکار ہو گی یعنی مجرم کی معافی کی خواہش اور عدلیہ کی ایمانی کمزوری اور دنیا طلبی کو پروان چڑھانا ہو گا۔ پھر جب ایک طرف پانی کا بہاؤ تیز اور دوسری طرف حفاظتی بند کمزور ہوں گے تو یقیناً پانی راستہ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

2۔ خوفِ آخرت کا زوال

دوست! جس دل میں خوفِ آخرت راستہ بنالے وہاں سے برائیاں از خود رخصت ہو جاتی ہیں۔ وہاں نظم و نسق قائم کرنے کے لیے کسی حکومتی ادارے، فرد یا کیمرے کی ضروری نہیں

رہتی۔ دیگر معاملات کی طرح، عدالتی معاملات میں بھی یہی صورت حال ہے۔ جب حضرت علی کو رسولِ خدا ﷺ نے یمن کا جج بنا کر بھیجا تو آپ نے سوال اٹھا دیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے بھیج رہے ہیں جبکہ میں عمر میں چھوٹا بھی ہوں اور میرے پاس فیصلے کا علم بھی نہیں ہے۔ اس پر رسولِ خدا ﷺ نے ان کو فیصلے کی تعلیم دے کر رخصت فرمایا جبکہ آج جج بننے کے لیے لوگ کتنی تگ و دو کرتے ہیں اور اگر تعیناتی ہو جائے تو نہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عدلیہ میں خوف کے زوال کا نتیجہ ہے۔

دوسری طرف عوام کا یہ عالم تھا کہ صحابی رسول ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے (گناہ کی آلودگی سے) پاک کر دیں۔ آپ نے انہیں واپس بھیج دیا، جب اگلا دن ہوا، وہ آپ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ تو آپ نے دوسری بار انہیں واپس بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم کی طرف پیغام بھیجا اور پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کہ ان کی عقل میں کوئی خرابی ہے، (ان کے عمل میں) تمہیں کوئی چیز غلط لگتی ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا: ہمارے علم میں تو یہ پوری عقل والے ہیں، جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ یہ ہمارے صالح افراد میں سے ہیں۔ وہ آپ کے پاس تیسری بار آئے تو آپ نے پھر ان کی طرف (اسی طرح) پیغام بھیجا اور ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان میں اور ان کی عقل میں کوئی خرابی نہیں ہے، جب چوتھی بار ایسا ہوا تو آپ نے ان کے لیے ایک گڑھا کھدوایا، پھر ان (کو رجم کرنے) کے بارے میں حکم دیا تو انہیں رجم کر دیا گیا۔

اس کے بعد غامد قبیلے کی عورت آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کیجئے۔ آپ نے اسے واپس بھیج دیا، جب اگلا دن ہوا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے واپس کیوں بھیجتے ہیں؟ شاید آپ مجھے بھی اسی طرح واپس بھیجنا چاہتے ہیں جیسے ماعز کو بھیجا تھا، اللہ کی قسم! میں حمل سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: "" اگر نہیں (مانتی ہو) تو جاؤ حتی کہ تم بچے کو جنم دے دو۔ " کہا: جب اس نے اسے جنم دیا تو بچے کو ایک بوسیدہ کپڑے کے ٹکڑے میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: یہ ہے، میں نے اس کو جنم دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "" جاؤ، اسے دودھ پلاؤ حتی کہ تم اس کا دودھ چھڑا دو۔ " جب اس نے اس کا دودھ چھڑا دیا تو بچے کو لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئی، اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا ،اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اس نے کھانا بھی کھالیا ہے ۔ تو آپ نے بچہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی کے حوالے کیا، پھر اس کے لیے (گڑھا کھودنے کا) حکم دیا تو سینے تک اس کے لیے گڑھا کھودا گیا اور آپ نے لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اسے رجم کر دیا۔ دوسری طرف آج مجرم سزا سے بھاگتے ہیں اور بچاؤ کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ دنیوی سزا سے یہ بچاؤ خوفِ آخرت کی کمی کی وجہ سے ہے۔

دوست! دلائل سے تجھے واضح کر دیا ہے کہ خوفِ آخرت انصاف کا ستون ہے جو مجرم ومنصف دونوں کو اس پر قائم رکھتا ہے۔ اس لیے ناانصافی کو پروان چڑھانے کے لیے تجھے ان ستونوں کو گرانا ہو گا اور یہ لاعلمی اور غفلت سے ہو گا۔

3۔ **دنیا کا لالچ**

دوست! دنیا کا لالچ، میرے مضبوط ترین جالوں میں سے ایک ہے۔ اس جال میں، بڑی اونچی پروان رکھنے والے پنچھی بھی میں نے پھانسے ہیں۔ ہر شعبہ زندگی میں یہ کار آمد ہے، اس لیے تُو انصاف کو بھی اسی تیر سے ہدف بنا۔ منصف جب لالچی اور حبِ دنیا رکھنے والے ہوں گے تو مجرم ضرور انہیں رشوت پیش کریں گے۔ رفتہ رفتہ ان کا لالچ اس حد تک بڑھ جائے گا کہ حیا رخصت ہو جائے گی اور وہ خود رشوت طلب کرنا شروع کر دیں گے۔ اس سے زیادہ معاشرے کے لیے ہلاکت انگیز کوئی شے نہیں کیونکہ ایسی فضا میں شرفا سلاخوں کے پیچھے ہوتے ہیں اور مجرم سرِ بازار دندناتے پھرتے ہیں۔ انسانوں کی بستی، حیوانوں کا اصطبل بن کر رہ جاتی ہے جہاں کمزور جانور ہر وقت طاقتور جانوروں کے خوف سے سہمے نظر آتے ہیں۔

سو تم لوگوں کے اندر دنیا کا لالچ پروان چڑھاؤ تا کہ وہ انصاف کو چھوڑ دیں اورانسانی شرف سے محروم ہو کر حیوانی سطح پر آجائیں۔

4۔ عدلیہ کی آزادی

دوست! انسان جب قانون کے گرفت سے آزاد ہوتا ہے تو وہ غلط کاموں میں بے باک ہو جاتا ہے اور سرِ عام بھی جرم کرنے سے نہیں کتراتا یا گھبراتا۔ تم عدلیہ کی آزادی کے نام پر انھیں اس مقام پر لاؤ کہ وہ مجرموں کی سرعام طرفداری کرنے لگیں اور انھیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ ہو۔ یوں عدلیہ امراء کے اشاروں پر ناچنے لگے گی اور انصاف کی بولی گھنگھروں کی جھنکار میں گم ہو کر رہ جائے گی۔ مظلوم مجبور ہو کر یا خودکشی کرنے لگیں گے یا اپنی عدالتیں لگا کر مجرموں سے انتقام لینے لگیں گے۔ یوں پورا معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جائے گا۔

5۔ مذہبی علوم کا فقدان

دوست! ایک اور چیز جو انسان کو انصاف پر قائم رکھ سکتی ہے وہ مذہبی علم ہے کیونکہ مذہب نے ہر شعبہ ٔ حیات کے متعلق انسان کی رہنمائی فرمائی ہے۔ مثلاً اسلام نے عہدہ داروں کو تحائف لینے سے منع کر دیا تاکہ رشوت کے تمام تر دروازے بند ہو جائیں اور لوگوں کو مختلف حوالوں اور مثالوں سے ڈرایا تاکہ خواہشِ نفس ان پر غالب نہ آجائے وغیرہ۔ اب جو اس علم سے محروم ہو گا، وہ ان پیچیدگیوں میں باآسانی پھنس جائے گا اور انصاف پر قائم نہ رہ سکے گا۔ اس لیے تم یہ کوشش کرو کہ منصف جدید تعلیم ضرور حاصل کریں لیکن مذہبی تعلیم کے قریب نہ جائیں تاکہ انھیں باآسانی گمراہ کیا جا سکے۔

دوست! ناانصافی کو پروان چڑھانے کے لیے چند ایک اہم طریقے تجھ سے ذکر کر دیے ہیں۔ انھیں استعمال میں لاتے ہوئے دنیا میں بگاڑ پیدا کرو اور خاص کر مسلمان علاقوں میں اس کا اہتمام کرو تاکہ لوگ اسلام سے بیزار ہو کر ہماری تہذیب کے گن گانے لگیں۔

رشوت

سوال: میرے آقا! ہم جانتے ہیں کہ کارخانہء دنیا کو منظم بنانے کی خاطر خدا نے بعض کو حاکم اور بعض کو محکوم بنایا، بعض کو امام اور بعض کو مقتدی بنایا۔ پھر انھیں مقررہ حدود میں رکھنے کے لیے ہدایات اتاریں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا۔ دورِ حاضر میں جیسے لوگ دیگر حدود سے تجاوز کر چکے ہیں ایسے ہی اس حد کو بھی پامال کر چکے ہیں۔ حاکم و محکوم کے مابین پامال شدہ حدوں میں امانت داری بھی ہے جسے رشوت اور دیگر مہلک ہتھیاروں سے پامال کیا گیاہے۔ فقط چند لوگوں کے دامن داغ دار ہونے سے بچے ہوئے ہیں۔

میرے آقا! اس بات کے پیشِ نظر رشوت کی تباہ کاریاں اور اسے عام کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈال دیجیے تاکہ دنیامیں اگر کہیں اس کی کسر رہ گئی ہے تو وہ بھی پوری ہو جائے۔

شیطان: دوست! امانت داری کے خاتمے کے لیے رشوت سب سے مؤثر ترین ہتھیار ہے کیونکہ اس میں اکثر دونوں فریقین مستفید ہو رہے ہوتے ہیں جبکہ ظلم اور دیگر طریقوں میں حاکم مستفید ہو رہا ہوتا ہے اور محکوم بالکل محروم رہتا ہے۔ اس کی تباہ کاریاں درج ذیل ہیں:-

1۔ ملک و معاشرے کی بدحالی

دوست! جب کسی بھی ادارے میں رشوت ستانی عام ہوتی ہے تو وہ ادارہ بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی کارکردگی حد درجہ کم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رشوت کے ذریعے حاکم و

محکوم اس ادارے کے وسائل کو بغیر حق کے ذاتی استعمال میں لاتے ہیں یا کسی فرض کو معاف کرواتے ہیں۔ اس سے ادارے کو جو چیز پہنچنی چاہیے تھی وہ نہیں پہنچتی اور جو چیز اسے ادا نہیں کرنی تھی وہ ادا کرتا ہے۔ اس جبر مسلسل کے باعث وہ ادارہ بہت جلد کمزور پڑ جاتا ہے اور ملک کے لیے مثبت کردار ادا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے بلکہ اس پر بوجھ بن جاتا ہے۔ ملک کے دیگر اداروں کا جب یہی حال ہو جاتا ہے تو بدحالی ایسے ملک کا مقدر ہو جاتی ہے اور وہ اس بوجھ کو اتارے بغیر ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

2۔**بدامنی**

دوست! رشوت کے ذریعے لوگ جب ایک دوسرے کا حق کھاتے ہیں تو اس سے بدامنی پروان چڑھتی ہے۔ رشوت کے باعث حق دار جب اپنے حق سے محروم رہتا ہے تو حاکموں سے اس کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ وہ ایک حد تک اس ظلم کو برداشت کرتا ہے، اس کے بعد قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیتا ہے اور معاشرے کے اندر لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے۔

3۔**نااہلیت کی ترویج**

دوست! کسی بھی ادارے میں انتخاب کے لیے مخصوص معیارات ہوتے ہیں اور جو لوگ ان معیارات پر پورا اترتے ہیں انھیں منتخب کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہاں رشوت کا دور دورہ ہو تو معیارات بے حیثیت ہو جاتے ہیں۔ نااہل لوگ انتخاب کنندہ کو رشوت دے کر منتخب ہو جاتے ہیں اور قابل لوگ رد کر دیے جاتے ہیں۔ ملکی سطح پر جب یہ فضا بن جاتی ہے تو نتیجتاً ملک کی باگ دوڑ نااہل لوگوں کے ہاتھ چلی جاتی ہے جو کام کرنے کی صلاحیت سے بھی محروم

ہوتے ہیں اور اخلاقی قدروں سے بھی۔ وہ ہر معاملے کو ذاتی مفاد کے ترازو میں تولتے ہیں اور ملک اور قوم ان کے لیے کسی اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔ نتیجتاً ملک تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے اور قوم پر مایوسی چھا جاتی ہے۔

4۔ کرپشن کی ترویج

دوست! خاص کر اہم عہدوں کے لیے بھاری رشوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔لوگ قرض اور دیگر طریقوں سے اس کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح ایک دفعہ عہدہ مل جائے، تمام کمی پوری کر لیں گے۔ جب اس سوچ کے ساتھ ایک شخص عہدہ سنبھالے گا تو وہ ملک و معاشرے کے لیے کس قدر خطرناک ہو، عقل اس کی شدت کو ماپنے سے قاصر ہے۔

5۔ بزدلی

دوست! جس ملک و معاشرے میں رشوت عام ہو جاتی ہے، اس کے عوام و حکمران بزدلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ طاقت کے باوجود اغیار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتے بلکہ ان کی طاقت و ثقافت سے مرغوب رہتے ہیں۔ اس حقیقت کا تذکرہ مسلمانوں کے نبیؐ نے بھی فرمایا۔ آپؐ فرماتے ہیں:

"جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اس پر رعب (وخوف) مسلط کر دیا جاتا ہے۔"

6۔ انفرادی عذاب

مذکورہ بالا اجتماعی عذاب کے ساتھ ساتھ رشوت لینے والوں اور دینے والوں پر انفرادی طور پر بھی خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے اور ان پر لعنت کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی

سے برکت اٹھ جاتی ہے اور ذلت و رسوائی، پچھتاوا اور دیگر مصائب ان کے در پر ڈیرے ڈالے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ملک و معاشرے کے لیے بھی بے برکتی کا باعث بنے رہتے ہیں۔

دوست! رشوت کی چند اہم تباہ کاریوں کا تجھ سے تذکرہ فرما دیا ہے۔ اب اسے عام کرنے کے طریقے سمجھ لے تاکہ تو لوگوں کو اس لعنت میں مبتلا کر سکے۔

1۔ دینی لاعلمی

دوست! دینی علم وہ گائیڈ بک ہے جو کائنات کے بنانے والے نے انسان کی رہنمائی کے لیے اتاری ہے۔ دینی علم انسان کو زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں مستند طریقہ بتاتا ہے۔ اس سے اگر انحراف کیا جائے تو معاشرہ بدنظمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً تخلیق کار نے ڈیزل پر چلنے والی گاڑی بنائی اور گائیڈ بک میں اس کا ذکر بھی کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص اس گائیڈ بک کو پڑھے ہی نہ اور مختلف خود ساختہ دلائل کی بنیاد پر فیصلہ کرے کہ اس میں پانی استعمال کرنا چاہیے کیونکہ وہ سستا بھی ہے اور ڈیزل سے زیادہ صاف بھی ہے تو یقیناً اس کا یہ عمل گاڑی کی تباہی کا باعث بنے گا۔ پس زندگی کے تمام امور کے معاملے میں انسان کا یہی حال ہے۔ وہ اگر گائیڈ بک نہیں پڑھے گا تو یقیناً دنیا کو خود ساختہ طریقوں سے چلانے کی کوشش کرے گا اور اسے تباہی کے دہانے لا کھڑا کرے گا۔

اس بات کے پیشِ نظر تم لوگوں کو دینی علوم سے دور رکھو۔ جب وہ رشوت سے متعلق حلال و حرام اور عذاب و ثواب وغیرہ سے لاعلم رہیں گے تو نفس ان کو اپنے تابع کر لے گا۔ دیگر معاملات کی طرح وہ رشوت کے حق میں بھی دلائل تراش لیں گے۔ ساتھ ساتھ میری فوج

بھی وسوسوں سے ان پر حملہ آور ہوتی رہے گی اور وہ رشوت کی دلدل میں دھنستے چلے جائیں گے۔

2۔یقین کا فقدان

دوست! خدا نے انسان کا رزق لکھ چھوڑا ہے اور اس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ اب جس میں یقین کی کمی ہو گی وہ علم کے باوجود رشوت اور دیگر حرام طریقوں سے رزق بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے رشوت کو عام کرنے کے لیے لوگوں میں بے یقینی پیدا کرو تاکہ وہ خدا کے وعدوں کو پسِ پشت ڈال کر حرام کی راہ اختیار کریں۔

3۔غفلت

دوست! اگر کوئی شخص دینی علم حاصل کر بھی لے تو اس کا بھی سدِباب موجود ہے۔ تم جدید دور کے آلات و معاملات کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے غفلت میں مبتلا کرو۔ غافل شخص بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس پر حملے کے لیے میرے لشکریوں کو بھی وار کے مواقع میسر آجاتے ہیں۔ پھر وہ اس پر وسوسوں کے تیر چلاتے ہیں اور خواہشات کی قید میں بند کر کے حرام وادیوں کی طرف گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔

4۔باطل دلائل

دوست! رشوت کے جواز میں لوگوں کے اندر باطل دلائل کو عام کرو۔ اس کے لیے تم سوشل میڈیا اور دیگر جدید آلات کو استعمال میں لاؤ۔ انسان میں چوں کہ امتحان کی خاطر دنیا کی محبت رکھ دی گئی ہے اس لیے وہ اس کے حق میں دلائل کا متلاشی رہتا ہے۔ پس تم اس کے لیے یہ کام کر چھوڑو۔ مثلاً رشوت دینے والا کہے: "رشوت بھی تو ایک طرح کی کوشش ہے

اور خدا نے انسان کو کوشش کا حکم دیا ہے"؛ رشوت لینے والا کہے: "یہ تو رشوت نہیں میری مزدوری ہے"؛ دینے والا تحفے کی صورت رشوت دے اور لینے والا بھی تحفہ سمجھے؛ رشوت دینے والا کہے: "آج کل رشوت کے بغیر کام ممکن ہی نہیں" اور اس طرح کے دیگر دلائل لوگوں میں عام کروتا کہ وہ یہ ظلم جائز سمجھ کر کریں۔ اور یہ سب سے زیادہ خطرناک طریقے ہے کیونکہ اس سوچ سے رشوت لینے اور دینے والا اسے درست سمجھ رہا ہوتا ہے اور اسکا راہِ راست پر آنا محال ہوتا ہے۔

5۔ دنیا کی ہوس

دوست! رشوت کی ترویج کا یک ذریعہ دنیا کی ہوس بھی ہے۔ لوگوں کے اندر دنیا کی ہوس بڑھانے کی خاطر اس کے رخ وزلف کو خوب سنواروتا کہ لوگ اس پر فریفتہ ہوں۔ اور اس کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے حصولِ دنیا کی خاطر رشوت لینا دینا کوئی بڑا مسئلہ نہ ہو گا۔

6۔ سستی وکاہلی

دوست! اس دور کے لوگوں کو دنیا کی آسائشوں میں مبتلا کر کے سستی اور کاہلی کا شکار کر دو۔ انھیں اس مقام پر لے آؤ کہ ہر کام کے معاملے میں ان کا نفس آسانی تلاش کرے اور مشقت سے انھیں موت آئے۔ ایسی حالت میں وہ مشقت سے بچنے کے لیے بہت سے کام رشوت دے کر حرام طریقوں سے کرنے لگیں گے۔ مثلاً اگر کسی نے ڈرائیونگ لائیسنس بنوانا ہو گا تو وہ بجائے اس کے کہ ہفتہ بھر قطاروں میں لگ کر کاغذات جمع کروائے اور

ڈرائیونگ ٹیسٹ دے، کسی با اثر شخص کو بیس، تیس ہزار رشوت دے کر گھر بیٹھے ڈرائیونگ لائیسنس حاصل کر لے گا۔

7۔ جلد بازی

دوست! جلد بازی بھی ایک روحانی بیماری ہے جو انسان کو وقت سے پہلے چیزوں کے حصول کے لیے مجبور کرتی ہے۔ پھر انسان اس کے لیے بہت سے غلط طریقے اپناتا ہے، رشوت جن میں سے ایک ہے۔ مثلاً کوئی شخص نوکری کے لیے ٹیسٹ دے اور اس کے بعد سرکاری طور پر نتیجہ کا اعلان ہونے سے پہلے ہی کسی کلرک یا قاصد کو رشوت دے کر معلوم کروالے۔ جلد بازی رشوت کی ترویج کے لیے مؤثر ترین ہتھیاروں میں سے ہے۔

دوست! رشوت کی تباہ کاریاں اور اسے عام کرنے کے طریقے بھی تجھ سے بیان کر دیے ہیں۔ اب تجھ پر اور باقی ساتھیوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان ہدایات کی روشنی میں رشوت کو عام کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ انسان جہنم کے لیے تیار کیے جاسکیں۔

خیانت

سوالی: میرے آقا! ہم میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی مقام پر امانت گزار ہے۔ کسی کے پاس پورا ملک امانت ہے تو کسی کے پاس صرف اپنی ذات۔ ان امانتوں کی پاسداری متعلقہ شخص کا مذہبی و معاشرتی فریضہ ہے۔ جب لوگ ان امانتوں میں خیانت سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں تو انفرادی طور پر بھی رسوائی کا شکار ہوتے ہیں اور مجموعی طور پر بھی ذلت انھیں ڈھانپ لیتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔

میرے آقا! جہاں ہم دشمن کے خلاف دیگر ہتھیار استعمال کر رہے ہیں وہاں کیوں نہ یہ اخلاقی ہتھیار بھی استعمال میں لایا جائے تا کہ وہ مزید ذلت کا شکار ہو جائے؟

شیطان: دوست! تو لاعلم رہ گیا ورنہ میری فوجیں اس پر پہلے ہی سرگرم عمل ہیں اور متعدد محاذوں پر فتح یاب ہو چکی ہیں۔

سوالی: میرے آقا! میں اپنی لاعلمی پر شرمندہ ہوں اور معافی طلب کرتا ہوں۔ برائے کرم مجھے اس وبا کو عام کرنے کے طریقوں کے بارے میں آگاہ فرما دیجیے۔

شیطان: دوست! اسے عام کرنے کے طریقوں میں شامل ہیں:-

1۔ **کمزور احتسابی نظام**

دوست! مضبوط احتسابی نظام کسی بھی ملک کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ بیشتر برائیوں کے آگے دیوار بن جاتا ہے اور معاشرے کو آلودہ ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

تم ایسا کرو کہ مخالف معاشروں میں اس دیوار کو کمزور کر دو تاکہ برائیوں کو راستہ مل سکے۔

آج ہر شخص خواہشوں سے لدا ہوا ہے اور انھیں پورا کرنے کے لیے شب و روز تگ و دو میں محو ہے۔ وہ جہاں حلال راستوں کو کٹھن پاتا ہے وہاں حرام کی طرف رخ کرتا ہے۔ حرام راستوں پر اگر پہرے دار موجود نہ ہوں تو اکثر انھیں اپنا لیتے ہیں اور خود بھی تباہی کا شکار ہوتے ہیں اور معاشرے کو بھی آلودہ کرتے ہیں۔ حصولِ دنیا کے ان حرام راستوں میں خیانت بھی ہے اور اس کا پہرے دار مضبوط احتسابی نظام ہے جو لوگوں کو اس سے دور رکھتا ہے۔ خیانت کو عام کرنے کے لیے احتسابی نظام کو کمزور کر دو۔

2۔ **خوفِ خدا میں کمی**

دوست! دنیا کا احتسابی نظام کبھی اس قدر کامل نہیں ہو سکتا کہ انسان کی ہر خیانت پکڑ سکے۔ ایسے میں خوفِ خدا انسان کو اس برائی سے تھام لیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا سے کوئی معاملہ پوشیدہ نہیں۔ دنیوی قانون کی گرفت سے بچ بھی گیا تو خدا کی پکڑ سے کون بچائے گا۔ یہ احساس اسے امانت داری کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

دوست! تم لوگوں کو لاعلمی اور دنیا طلبی کا شکار کر کے خوفِ خدا سے محروم کر دو۔ بہت جلد تم دیکھو گے کہ خیانت کی شرح بڑھنے لگے گی۔

3۔ **دنیا کی محبت**

دوست! دنیا کی محبت انسان کو کسی بھی جائز و ناجائز کام کے لیے آمادہ کر لیتی ہے۔ وہ بینائی

رکھتے ہوئے بھی اندھا ہو جاتا ہے اور ہر ممکنہ طریقے سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ امانت داری اور دیگر اخلاقی قدروں کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔

پس تم خیانت کو عام کرنے کے لیے لوگوں کو دنیا کے عشق میں مبتلا کرو۔

4۔ شکوک وشبہات

دوست! انسان کا دل جب کسی شے کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ اسے جائز ثابت کرنے کے لیے دلائل تلاشتا ہے۔ آج جب فکرِ آخرت جاتی رہی اور دنیا نے دلوں کا غلبہ حاصل کر لیا تو لوگ اسے ہر صورت جائز قرار دینے کے لیے دلائل کی تلاش میں ہیں۔ پس تم انھیں دین کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار کرو اور خیانت اور دیگر برائیوں کے حق میں کچھ گنجائش پیدا کرو۔ تم ایک چھید کرو گے لوگ ہزاروں راستے خود بنا لیں گے۔

سوالی: میرے آقا! خیانت سے متعلق احکامات تو بالکل واضح ہیں، پھر لوگوں کو کیسے شکوک و شبہات میں مبتلا کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست! احکامات تو واضح ہیں مگر ان سے واقف کتنے لوگ ہیں؟ دور حاضر کی یہ کرامت ہے کہ حصولِ علم جس قدر آسان ہو گیا ہے لاعلمی اسی قدر بڑھ گئی ہے۔ پس تم جو کچھ لوگوں کو فلموں، ڈراموں اور دیگر پلیٹ فارمز پر تعلیم دو گے وہی ان کا دین ہے۔

سوالی: میرے آقا! ایک وقت گزرا ہے کہ لوگ جب کسی سے کوئی چیز لیتے تھے تو بڑی احتیاط برتتے تھے کہ پرائی چیز ہے لیکن اب یہ حال ہے کہ چیز دینے والے کو اکثر کہنا پڑتا ہے کہ اپنی سمجھ کر استعمال کرنا یعنی جس طرح اپنی چیزوں کا خیال رکھتے ہو اس طرح اسکا بھی دھیان رکھنا۔

میرے آقا! یہ امانت داری کے زوال کی ایک واضح تصویر ہے۔انسان اس تنزلی کا کیسے شکار ہوا؟

شیطان: دوست! یہ ہماری محنتوں کا ثمرہ ہے۔ شریعت کی کلیوں کو مسل کر ہم نے ان کانٹوں کے لیے راہ تراشی ہے۔ مزید لوگ جوں جوں شریعت کو ترک کرتے جائیں گے، اخلاقی تنزلی کا شکار ہوتے جائیں گے اور یہی تمھارا مقصد ہونا چاہیے۔

سوالی: میرے آقا! مغربی معاشرہ شریعت سے دور ہونے کے باوجود اخلاقی قدروں پر کیسے قائم ہے اور مسلمان شریعت کے قریب ہونے کے باوجود اخلاق سے کیوں محروم ہیں؟

شیطان: دوست! شریعت ایک راستہ کا نام ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ مسلمانوں کا اس وقت حال یہ ہے کہ وہ اس راستے کے سیدھا ہونے پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس پر چلتے نہیں۔ پھر جس راستے پر وہ چلتے نہیں اس کے آب و ہوا، پھلوں، پھولوں اور پرچھائیوں سے کیسے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس راہ کا اثر ان میں کیسے نظر آسکتا ہے۔

جہاں تک مغربی معاشرے کا معاملہ ہے تو وہ اخلاقی قدروں سے بالکل محروم ہے۔ لوگ ان کے نظم ونسق کو اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ مضبوط حکومتی نظام کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ پہرا اگر ہٹا دیا جائے تو ان کی درندگی تم پر واضح ہو جائے گی۔ مسلمانوں کا حکومتی نظام کیوں مضبوط نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر ہمارے زر خرید حکمران مسلط ہیں جو کہ ہمارے حکموں کے مطابق حکومت کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کی اس مجبوری کو تم خیانت اور دیگر برائیوں کے پھیلانے میں استعمال کرو۔

بزدلی

سوالی: میرے آقا! انسان کی زندگی ہمیشہ خطرات سے بھری رہتی ہے۔ کبھی وہ ان سے ڈر کر ٹھہر جاتا ہے تو کبھی بہادری سے مقابلہ کرتا ہے۔ کبھی تمام قوت ووسائل کے باوجود بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے تو کبھی بے سروسامان ہو کر بھی بہادری کی مثال قائم کر دیتا ہے۔

میرے آقا! ان مختلف کیفیات کے اسباب کیا ہیں اور ان سے متعلق ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

شیطان: دوست! در حقیقت یہ ایک تجارت ہے جہاں آپ کچھ دیتے ہو اور کچھ لیتے ہو۔ اگر سودا بازی ایسی ہے کہ آپ دے قیمتی شے رہے ہیں اور بدلے میں ادنیٰ شے آ رہی ہیں تو یقیناً آپ اس سے گریز کریں گے اور یہ بزدلی کہلائے گی۔ اگر آپ کی تجارت ایسی ہے کہ آپ دے تو ادنیٰ شے رہے ہوں لیکن بدلے میں عمدہ شے آ رہی ہو تو یقیناً ایسی تجارت کو کامیاب بنانے کی آپ ہر ممکن کوشش کریں گے اور یہ بہادری کہلائے گی۔

تمھارے لیے حکم یہ ہے کہ لوگوں کو خوف دلا کر بزدلی پر آمادہ کرتے رہو۔

سوالی: میرے آقا! خسارے سے بچنا تو عین حکمت ہے، اس میں بزدلی کیسی؟

شیطان: دوست! س معاملے میں لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو آخرت پر یقین رکھتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس ظاہری زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی کا قائل نہیں۔ جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں سمندر کے ایک قطرے کی مانند یا اس سے بھی کمتر ہے۔ وہ دنیا کو آخرت کے بدلے میں بیچنے

کے لیے ہر لحظہ تیار رہتا ہے۔ اسی گروہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آخرت پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن دنیا کی محبت اور آخرت کے معاملے میں شکوک و شبہات انھیں اس تجارت سے روک لیتے ہیں۔ ان کے لیے بھی یہ فائدے کا سودا ہے جیسے دوسرے اہل آخرت کے لیے لیکن یہ اسے جاننے اور سمجھنے میں غلطی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس بنا پر وہ دنیا کو آخرت کے بدلے بیچنے سے رک گئے اور بزدل کہلائے۔ گریز کرنے میں حکمت تب ہوتی جب تجارت واقعتاً خسارے کا باعث ہوتی۔

دوسرا گروہ جو ظاہری زندگی کے علاوہ کسی دوسری زندگی کا قائل نہیں وہ دنیا کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جب آخرت ان کے نزدیک پائی ہی نہیں جاتی تو پھر وہ کیسے ایک عزیز شے کو کسی معدوم شے کے بدلے بیچ ڈالیں۔ پس وہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس گریز میں بھی حکمت اس لیے نہیں کیونکہ آخرت کے بارے میں یہ ان کا من گھڑت نظریہ ہے ورنہ وہ تو پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔

سوالی: میرے آقا! تاریخ کے چہرے پر ایسے نام بھی نقش ہیں جو نہ ماننے والے تھے مگر بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ دنیا آج بھی انھیں یاد کرتی ہے۔ مثلاً صلیبی جنگوں کا تذکرہ آتا ہے تو "Richard the Lionheart" جیسے بہادر جنگجوؤں کے بغیر تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے۔ انھیں کس جذبے نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے لیے ابھارا؟

شیطان: دوست! اختلافات اپنی جگہ مگر صلیبی جنگیں تو درحقیقت دو ماننے والی قوموں کے مابین تھیں۔ دونوں قومیں آخرت اور جنت و جہنم کے برحق ہونے پر ایمان رکھتی تھیں۔ ایسے میں دونوں لشکروں سے بہادری کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اس کے علاوہ نہ ماننے والوں میں بھی ایک گروہ بہادری کا مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔ یہ دراصل وہ لوگ ہیں جو دیکھتے ہیں کہ بہادری دکھانے والوں کے دنیا کیسے ترانے الاپتی ہے اور ان کی عزت و تکریم کرتی ہے تو ان میں بھی ایسی مقبولیت کی حرص پیدا ہوتی ہے۔ یہ حرص انھیں بہادری دکھانے کے لیے ابھارتی ہے۔ مگر یہ بہادری اس مقام تک نہیں پہنچ جو اہل آخرت کو حاصل ہے۔

سوالی: میرے آقا! آج ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک ہی صف میں کھڑے ہیں یعنی دونوں بزدلی کا شکار ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

شیطان: دوست! ماننے والوں نے بھی نہ ماننے والوں کی طرح دنیا ہی کو مقصد بنالیا ہے۔ پس جب مقصد انکا دنیا ہو گیا تو انھیں اسکے چھن جانے کا خوف تو ہو گا۔ اسی خوف نے انھیں بزدل بنا کر نہ ماننے والوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان پر ہمارا تسلط بھی قائم ہے۔

سوالی: میرے آقا: جب بزدلی میں دونوں برابر ہیں تو پھر ہمارا تسلط ان پر کیسے قائم ہے؟

شیطان: بزدلی میں اگرچہ دونوں برابر ہیں لیکن وسائل میں ہم ان سے آگے ہیں۔ اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ ماننے والے اکثر وسائل میں کم ہی رہے ہیں اور فتح یابی انھوں نے جذبہ ایمانی کے بل بوتے پر حاصل کی ہے۔ آج بھی وہ اسی جذبہ کے تحت فتح مند ہو سکتے ہیں نہ کہ وسائل کی بنیاد پر۔

سوالی: میرے آقا! ماننے والوں میں کچھ گروہ جذبہء ایمانی کو بیدار کرنے کے لیے میدان عمل میں ہیں۔ انکا راستہ کیسے روکا جائے؟

شیطان: دوست! ایسے گروہوں کی راہ روکنے کے درج ذیل طریقے ہیں:-

1۔ **بدنامی**

دوست! لوگوں میں ان کی غلط تصویر پیش کرو تا کہ وہ دلی طور پر ان کی پیروی کے لیے آمادہ نہ ہوں۔ بہت سی غلط اور نازیبا باتیں ان سے منسوب کر کے لوگوں میں عام کر دو۔ ان میں سے کوئی شخص کسی خطا کا مرتکب ہو تو اسکی بھی خوب تشہیر کرو۔ کوشش کرو کہ لوگ ان کی اچھی باتوں سے بے خبر رہیں۔ اور ان تمام معاملات کے لیے تمھارے پاس ذرائع موجود ہیں۔ دنیا بھر کی حکومتیں تمھاری وفادار اور فرمانبردار ہیں۔ میڈیا اور دیگر ادارے تمھارے احکامات کے مطابق ہی تمام تر حکمت عملیاں بناتے ہیں۔ سو انھیں اس مقصد کے لیے استعمال میں لاؤ۔

2۔ **جعلی تنظیموں کا قیام**

اس مقصد کے لیے تمھیں اگر چند جعلی تنظیمیں بھی بنانی پڑیں تو ضرور بناؤ اور ان کے غلط افکار اور غیر انسانی کاروائیوں سے لوگوں کو اصلی تنظیموں سے بد ظن کرو۔

3۔ **دینی تعلیمات سے دوری**

دوست! اپنے اثر و رسوخ کو استعمال میں لاتے ہوئے تمام ملکوں کے تعلیمی نصاب سے دینی تعلیمات کو نکال دو اور ایسا نصاب ترتیب دو کہ لوگوں میں آزاد خیالی اور من مانی کا جذبہ پروان چڑھے۔ ایسے میں جب وہ دینی تعلیمات سے بے خبر ہوں گے تو ان گروہوں کی باتیں انھیں بے بنیاد معلوم ہوں گیں اور وہ ان کی پیروی کے لیے کسی صورت آمادہ نہیں ہوں گے۔

4۔ **آپس کی جنگ**

دوست! جب تعلیمی نظام کے ذریعے عوام کی ذہن سازی ہو جائے اور وہ مذہبی تحریکوں کو غلط اور پر فتن تسلیم کرنے لگیں تو ایسے میں ان تحریکوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے متعلقہ ملکوں کے حکمرانوں کو جنگ کے لیے ابھارو۔ یوں یہ آپس میں ہی لڑ لڑ کر قتل ہوتے رہیں گے اور ہمیں نہ ان سے خطرہ رہے گا اور نہ اُن سے۔

سوالی: میرے آقا! ماننے والے آپس کی جنگ میں کس بنیاد پر بہادری دکھاتے ہیں؟

شیطان: دوست! دونوں گروہ اپنے آپ کو برحق اور مخالف کو باطل سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ یہی ظن انھیں آخرت کے اجر کی اُمید دلاتا ہے اور وہ بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی مرتبہ دنیوی مفاد بھی بہادری پر آمادہ کرتا ہے۔ مثلاً تمغہ شجاعت کی توقع یا مقبولیت و انعامات کی اُمید۔

سوالی: میرے آقا! زیر بحث جنگ میں دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ زیادہ کارآمد ہے؟

شیطان: دوست! ایک فریق (یعنی مذہبی تحریکیں) تو پہلے ہی آخرت کے اجر کی اُمید سے میدانِ عمل میں ہے۔ جہاں تک ملکی افواج کا معاملہ ہے تو انھیں تمغہ و تحائف کا لالچ دے کر جنگ کے لیے ابھارو کیونکہ آخرت کے معاملے میں تو وہ پہلے ہی غافل ہو چکے ہیں۔ آخرت کا یقین اس قدر کمزور پڑھ چکا ہے کہ لوگ بھاری اجر والے آسان عمل بھی بلا کسی وجہ کے ترک کر دیتے ہیں پھر جنگ تو آخر جنگ ہے جہاں جان تک جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے دنیوی لالچ ہی اسلامی افواج کے لیے زیادہ کارآمد ہے۔

حسد

سوالی: میرے آقا! حسد دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے۔ اس سے بچنے کے لیے انسان کو ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے اور ہر ہر سوچ کو اچھی طرح جانچ کر دل کی بستی کا ویزا دینا پڑتا ہے۔ کوئی سوچ حسد دامن میں چھپائے اگر خفیہ طور پر دل میں داخل ہو جائے تو اس کی گرفتاری کے لیے علم و عمل کے سپاہی تعینات کرنے پڑتے ہیں۔ ان تمام تر احتیاطی تدبیروں کے بعد ہی دل کہیں حسد کے روگ سے پاک ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے اکثر لوگ اس مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں لیکن ماننے والوں کا معاملہ منفرد ہے۔ وہ حسد سے ایسے منزہ و آزاد ہیں جیسے کبھی حسد کا سایہ بھی ان کے دل پر نہ پڑا ہو۔

میرے آقا! یہ لوگ کس جادوئی چھڑی سے حسد کو خود سے دور رکھتے ہیں اور انھیں کیسے دنیا و آخرت کے اس عذاب میں مبتلا کیا جا سکتا ہے؟

شیطان: دوست! ماننے والوں کے پاس وہ علم ہے جو صرف حسد ہی نہیں بلکہ ہر روحانی و جسمانی بیماری کا علاج ہے۔ حسد میں مبتلا کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ انھیں اس دوا سے محروم کر دو۔

سوالی: میرے آقا! اس علم میں ایسا کیا ہے جو تمام تر بیماریوں سے عافیت دیتا ہے؟

شیطان: دوست! یہ علم اسی خدا کا نازل کردہ ہے جو بیماریوں کا پیدا کرنے والا ہے اور یہی اس علم کی جداخاصیت ہے۔

سوالی: میرے آقا! ماننے والوں کو اس علم سے کیسے دور کیا جائے؟

شیطان: دوست! اس علم کا حصول ان کی نسلوں میں رواج کے طور پر چلا آرہا ہے۔ انھیں اس سے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی صفوں میں متبادل علم ورواج کے لیے جگہ بناؤ اور رفتہ رفتہ انھیں اس کی طرف مائل کرو۔ اگر تیزی دکھاؤ گے تو وہ تمھاری چال کو سمجھ جائیں گے اور اپنے دفاع کو مزید مضبوط کرلیں گے۔ جدید دور کے رسم ورواج نفس کو بہت عزیز ہیں۔ ایک بار ان کے نفسوں نے یہ شراب چکھ لی تو پھر بمشکل ہی انھیں سنبھال پائیں گے۔ اس حالت میں علم رخصت ہو جاتا ہے اور تمام تر روحانی وجسمانی بیماریوں کے لیے راستے کھل جاتے ہیں۔

سوالی: میرے آقا! اس کے لیے تو کافی محنت درکار ہے؟ کیا حسد کا حاصل اس قدر ہے کہ اس کے لیے اتنی محنت کی جائے؟

شیطان: بالکل دوست! حسد متاثرہ شخص کو تو ہلاک کرتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ حسد کیے جانے والوں کے خلاف بھی ہزار تدبیریں ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں معاشرہ باہمی بھائی چارے کا جذبہ کھو بیٹھتا ہے اور سانپوں کا پنجرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں پھر سانپ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ وہ خود ذلت میں رہتے ہیں اور دوسروں کے لیے اذیت کا سامان کرتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں بھلائی کا جذبہ دم توڑ جاتا ہے اور ہمارے نظام کے لیے کسی قسم کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

سوالی: میرے آقا! ماننے والوں اور نہ ماننے والوں پر اس آگ کے اثر میں کیا فرق ہے؟

شیطان: دوست! ماننے والا اگر باعمل ہے تو وہ اپنا دامن اس آگ سے بچا لیتا ہے۔

بے عمل ماننے والا اور نہ ماننے والا تقریباً برابر ہی ہوتے ہیں کیونکہ دونوں اس آگ سے اپنا بچاؤ نہیں کر رہے ہوتے۔

سوالی: میرے آقا: کیا نہ ماننے والوں میں ایسا گروہ بھی ہے جو باعمل ہے اور اس آگ سے قدرے بچا ہوا ہے؟

شیطان: دوست! ایسا گروہ ضرور پایا جاتا ہے مگر ان سے ہمیں کچھ خاص خطرہ نہیں کیونکہ یہ قدرت کے طریقوں کو چھوڑ کر اپنی سمجھ کے مطابق راہیں تراشتے ہیں۔ انسان چونکہ ناقص ہے اس لیے ان کے نئے تراشیدہ راستے بھی ناقص ہیں۔ اس کے علاوہ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ اس قدر پھیلے ہوئے معاملات کو مختصر سی زندگی میں سمجھے، ان کے قاعدے و قوانین واضح کرے اور پھر ان پر عمل کرے۔ قدرت کے راستوں سے کنارہ کش ہو کر نئے راستے تراشنا سراسر حماقت ہے۔ ایسے احمق لوگوں کی ضرور حمایت کرتے رہو۔

سوالی: میرے آقا! ایسے احمق لوگوں کی حمایت کا حاصل کیا ہے؟

شیطان: دوست! جب تم ایسے لوگوں کی حمایت کرو گے تو وہ یقیناً مزید دلجمعی سے نئی راہیں تراشیں گے اور دیگر لوگ بھی اس کام کی طرف مائل ہوں گے۔ نتیجتاً ان سارے راستوں میں حق کی راہ پوشیدہ و گمنام ہو جائے گی اور اس کے راہی بھی کم ہو جائیں گے۔ راہء حق کی راہرو جب کم ہو جائیں گے تو ہمارے نظام کے لیے کوئی بڑا خطرہ باقی نہ رہے گا۔

عیب وجوئی وعیب گوئی

سوالی: میرے آقا! جس طرح دیگر گناہوں میں لذت ہے اسی طرح عیب جوئی و عیب گوئی میں بھی لذت ہے۔ جس کا نفس اس گناہ کا عادی ہو جاتا ہے وہ لوگوں کے عیب یوں تلاش کرتا ہے جیسے شکاری اپنے شکار کو ڈھونڈتا ہے اور اسی جذبے کے ساتھ وہ ان عیبوں کو لوگوں میں بیان کرتا ہے۔ یوں جب لوگ ایک دوسرے کے عیب سنتے ہیں تو ان میں باہمی نفرت پیدا ہوتی ہے اور انتقام کا جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے۔ ایسی فضامیں ملک و معاشرہ نااتفاقی کا شکار ہو جاتا ہے اور باہمی نفرت میں الجھے رہنے کے باعث ترقی سے محروم رہتا ہے۔

میرے آقا! اس گناہ کے اثر کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں کو کیسے اس کا عادی بنایا جائے؟

شیطان: دوست! جیسے تمباکو نوشی کی روک تھام کے لیے سگریٹ کی ڈبیہ پر کینسر زدہ عضو کی تصویر چسپاں کی جاتی ہے تاکہ اسے دیکھ کر لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ اس سے باز آ جائیں۔ یہی طریقہ ہے لوگوں کو گناہوں سے باز رکھنے کا۔ اور اگر انھیں گناہوں پر لگانا ہو تو اس کے الٹ کرو یعنی ان کے راستے سے تمام نوع کی رکاوٹیں ہٹادو۔

سوالی: میرے آقا! عیب جوئی و عیب گوئی کے راستے کی کیا کیا رکاوٹیں ہیں اور انھیں کیسے ہٹایا جائے؟

شیطان: دوست: اس نوعیت کے تمام تر گناہوں کے آگے سب سے بڑی رکاوٹ خوفِ عذابِ آخرت ہے۔ یعنی ان گناہوں کے مرتکب کو جو سزا روز قیامت ہو گی، اس کا خوف

لوگوں کو گناہ کے ارتکاب سے روک لیتا ہے۔ اس رکاوٹ کو ہٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو دینی علوم سے غافل کر دو۔ انھیں دنیا کے معاملات اور تفریحات میں ایسے الجھا دو کہ انھیں دینی علوم کے سیکھنے کے لیے فرصت ہی نہ ملے۔

سوالی: میرے آقا! سگریٹ کی ڈبیہ پر کینسر زدہ عضو کی تصویر چسپاں کرنے کے باوجود لاکھوں لوگ سگریٹ نوشی کرتے ہیں؟ ان کے لیے یہ رکاوٹ کیوں غیر مؤثر ثابت ہوئی؟ یہی حال کئی دینی علم رکھنے والوں کا بھی ہے کہ وہ غیبت، جھوٹ، سفارش اور دیگر گناہ بلا جھجک کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

شیطان: دوست! یہ یقین کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سگریٹ نوش سگریٹ کی ڈبیہ پر تو کینسر دیکھتا ہے لیکن عملی زندگی میں اسے بہت کم لوگ کینسر زدہ نظر آتے ہیں۔ اس بنیاد پر وہ اس وہم کا شکار ہو جاتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ اسی طرح ایک عالم بھی یقین کی کمی کی وجہ سے بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے۔ گناہ کا غلبہ اسے عذاب کی تکلیف بھلا دیتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تو رحم کرنے والا ہے، درگزر فرمادے گا۔ سو وہ اس امید سے گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! عیب جوئی و عیب گوئی سے کیسے انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے؟

شیطان: دوست! انسان کا نفس دنیا پر غلبہ چاہتا ہے اور اس غلبے کے حصول کے لیے وہ مختلف طریقے اپناتا ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ عیب جوئی و عیب گوئی ہے۔ جیسے انسان کے کمالات لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں تو اسے غلبے کا وہم ہونے لگتا ہے یعنی وہ خیال کرتا ہے کہ لوگ ان کمالات کی بنا پر اسے دوسروں سے زیادہ لائقِ عزت تسلیم کریں گے اور یہ خیال اس

کے لیے موجبِ لذت بن جاتا ہے۔اسی طرح جب لوگوں کے عیب انسان پر ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انھیں دوسروں سے بیان کرتا ہے تو اس سے بھی اسے غلبے کا وہم ہوتا۔یعنی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ لوگ دوسرے شخص کو عیب دار سمجھتے ہوئے، اسے زیادہ لائقِ عزت تسلیم کریں گے اور یہ خیال اس کے لیے موجبِ لذت بن جاتا ہے۔

سوالی: میرے آقا! کیا انسان کا ایسا خیال درست ہے اور حاصل ہونے والی لذت کی حقیقت کیا ہے؟

شیطان: دوست! یہ انسان کی خام خیالی ہے، عیب جوئی و عیب گوئی سے شاذ ہی اسے عزت و غلبہ حاصل ہوتا ہے۔بلکہ یہ ایک انتہائی دردناک عذاب ہے اس جہاں کا بھی اور اگلے جہاں کا بھی۔

سوالی: میرے آقا! اگلے جہاں کا عذاب تو آسمانی کتابوں میں واضح طور پر مذکور ہے، اس جہاں کا عذاب واضح کر دیجیے۔

شیطان: دوست! یہ خیال خود ساختہ ہوتا ہے اور لازم نہیں کہ جیسے اس نے سوچا ہے لوگ اسی طرح اس کی عزت کریں۔اب جو اس کی توقع کے مطابق لوگ اس کی عزت نہیں کرتے تو وہ درناک تکلیف سے گزرتا ہے اور لوگوں سے جھگڑتا ہے اور انھیں برا بھلا کہتا ہے اور مزید ذلت کا شکار ہوتا ہے۔

دوست! یہ خیالی لذت در حقیقت اپنے دامن میں شدید عذاب و ذلت سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔

پس تم لوگوں کو اول الذکر طریقوں سے اس عذابِ دو جہاں میں مبتلا کرو۔

سفارش

سوالی: میرے آقا! رشوت کی طرح سفارش بھی ملک و معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ دشمن ممالک میں اسے کیسے عام کیا جائے اور اس کی تباہکاریوں کو بھی واضح کر دیجیے۔

شیطان: دوست! سفارش کی تباہ کاریاں درج ذیل ہیں:-

1۔ سستی و کاہلی

دوست! جب کسی معاشرے میں سفارش عام ہو جاتی ہے تو لوگ محنت کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور یہ دو وجوہات کی بناء پر ہوتا ہے۔ ایک تو امید کی وجہ سے اور یہ عموماً اثر و رسوخ رکھنے والے لوگوں کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ سفارش کے مواقع موجود ہیں تو محنت کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرا ناامیدی کی وجہ سے اور یہ عام لوگوں کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے پاس سفارش کے مواقع موجود نہیں تو محنت کا کیا فائدہ؟ یعنی محنت و قابلیت کی باوجود سفارشی لوگوں کو ان پر ترجیح دے دی جائے گی اس لیے محنت کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ دونوں سوچیں کسی بھی معاشرے کے لیے زہر کا کام دیتی ہیں۔ لوگوں میں آگے بڑھنے کا جذبہ دم توڑ دیتا ہے اور وہ ایک جوہڑ کی مانند ہو جاتے ہیں جہاں بہت سے مہلک جراثیم پروان چڑھتے ہیں۔ یہ جراثیم افراد کو بھی تباہ کرتے ہیں اور معاشرے کو بھی۔

2۔ باہمی نفرت

سفارش کا تخم لوگوں میں باہمی نفرت پیدا کرتا ہے۔ محنتی اور قابل لوگ دیکھتے ہیں کہ نااہل لوگ سفارش کے ذریعے انکا حق مار رہے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے، ان کی سفارش کرنے والوں کے لیے، سفارش قبول کرنے والوں کے لیے اور متعلقہ ادارے کے لیے ان کے اندر نفرت پیدا ہوتی ہے۔ وہ بعض دفعہ اپنی نفرت کا برملا اظہار کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں اور ان کے خلاف خفیہ تدبیریں کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرہ نفرت کی گندگی سے آلودہ ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو چار سو پھیل جاتی ہے۔

3۔ نااہلیت کی ترویج

سفارش نااہلیت کو پروموٹ کرتی ہے۔ بہت سے لوگ سفارش کے ذریعے ایسے عہدے حاصل کر لیتے ہیں جن کے وہ اہل نہیں ہوتے۔ ان کی نااہلی کی وجہ سے متعلقہ ادارہ پستی کا شکار ہو جاتا ہے جو کہ ملک و ملت کے لیے خسارے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے ایسے نااہلوں کا منفی اثر ان کے ماتحتوں کی کارکردگی اور تربیت پر بھی پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بھی کچھ بڑا کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

4۔ ایمان ویقین میں کمی

سفارش کلچر لوگوں کے اندر بے یقینی کو پروان چڑھاتا ہے۔ دین کی معرفت نہ رکھنے والے جب دیکھتے ہیں کہ سفارش کے ذریعے لوگ عہدے حاصل کر رہے ہیں، سزاؤں سے بری ہو رہے ہیں اور دیگر کام با آسانی کروا رہے ہیں تو ان کے اندر خدا کے بارے میں بے یقینی پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ خدا کی حکمتوں کو بالائے طاق رکھ کر سوچتے ہیں کہ سارے کام تو امیروں

کی منشا کے مطابق ہو رہے ہیں پھر خدا کہاں ہے۔ پھر جب ایسے لوگ آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو ہم خیال پاتے ہیں تو مزید شک میں چلے جاتے ہیں اور دین کے بارے میں بہکی بہکی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، چاہے وہ سفارش کرنے والے ہوں، کروانے والے ہوں ، قبول کرنے والے ہوں یا عام لوگ جو دین کی معرفت نہیں رکھتے۔ایسے لوگوں کو دین کے خلاف استعمال کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

5۔رشوت کی ترویج

سفارش کی ہوا سے رشوت کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔ سفارش کرنے والے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اگلے کو کوئی لالچ دیا جائے جسے وہ اکثر تحفہ کا نام دیتے ہیں اور سفارش قبول کرنے والا اکثر ایسے تحفوں کا منتظر رہتا ہے اور انھیں اپنا حق سمجھتا ہے۔یوں سفارش اپنے دامن میں رشوت کو بھی لیے پھرتی ہے اور ملک وملت کی تباہی کا سودا کرتی ہے۔

6۔باہمی خلوص میں کمی

سفارش کلچر نے باہمی خلوص کو بھی ٹھیس پہنچائی ہے۔ اکثر لوگ جب سفارش اور دیگر اغراض و مقاصد کے لیے رابطہ یا ملاقات کرتے ہیں تو انسان ہر شخص کے بارے میں یہی گمان کرنے لگتا ہے کہ شاید اسکا رابطہ یا ملاقات اسی غرض سے ہے۔ پھر جو صاحب منصب ہے انھیں بھی اپنی تعریف و بڑائی مطلوب ہوتی ہے اس لیے دوست احباب کو دعوت بھی دیتے رہتے ہیں کہ کہیں سفارش کی ضرورت ہوئی تو بتانا۔ پھر جب دونوں اطراف ذاتی اغراض سے منسلک ہوتی ہیں یعنی ایک طرف متاع کی ہوس تو دوسری طرف تعریف و بڑائی کی بھوک؛ تو باہمی خلوص اور محبت دم توڑ دیتے ہیں۔

7۔ خوش آمد میں اضافہ

جس طرح سفارش کرنے والا رشوت اپنے اوپر فرض جانتا ہے اسی طرح وہ سفارش قبول کرنے والے کی جھوٹی تعریف اور بڑائی بھی لازم سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ صاحبِ منصب کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے مثلاً کہتا ہے آپ بہت رحم دل ہیں، آپ کی بہت پاور ہے، میں آپ کا ہمیشہ مقروض رہوں گا اور آپ جیسے لوگ میں نے بہت کم دیکھے ہیں وغیرہ۔ وہ دراصل صاحبِ منصب کی طبیعت کو پہلے پرکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ کن باتوں کو پسند کرتا ہے پھر اسی کے مطابق مدح و تعریف کرتا ہے۔

یہ معاملہ ہر درجہ میں اور ہر جگہ پر چل رہا ہوتا ہے کہ سفارش اور دیگر اغراض سے لوگ صاحبِ منصب کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی خامیوں کو جاننے اور انھیں دور کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس کا منفی اثر متعلقہ ادارے کی کارکردگی پر بھی پڑتا ہے اور ماتحت بھی ایسے شخص کے رویے سے اکثر نالاں رہتے ہیں مگر خوش آمد کرنے والے اسے اس سے بے خبر رکھتے ہیں۔

8۔ انفرادی ذلت اور غلامی

سفارش کرنے والا اپنی عزتِ نفس کو صاحبِ منصب کے سامنے پامال کرتا ہے اور اس کے سامنے جب بھی آتا ہے عاجزی میں سر جھکا لیتا ہے۔ اس کے سامنے اپنی عاجزی اور اس کی بڑائی بیان کرتا ہے جیسا اسے صرف خدا کے سامنے کرنا چاہیے تھا۔ دوسرے لوگوں کو بھی جب معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سفارش سے منصب حاصل کیا ہے تو وہ بھی اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ ان کے سامنے نادم پھرتا ہے۔ پس ایسا شخص ہمیشہ غلامی اور ذلت کی

زد میں رہتا ہے۔ خدائے واحد کو ایک سجدہ کرنے کی بجائے اپنے جیسے ہزاروں لوگوں کو سجدے کرتا ہے اور اپنی عزت نفس کو ان کے سانے پامال کرتا ہے۔

دوست! سفارش کی یہ چند ذلتیں تجھ سے بیان کر دیں ہیں جو کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ڈال سکتی ہیں۔ اس وبا کے پھیلانے کے طریقے بھی تجھ سے بیان کر دیتا ہوں تاکہ تیرے لیے کام مزید آسان ہو جائے۔

1۔ دینی علوم سے دوری

دوست! تم لوگوں کو بے یقینی کا شکار کرو اور یہ لاعلمی سے ہو گا۔ جس شخص کو علم ہے کہ خدا کے اذن کے بغیر شاخ و شجر کیا ایک پتہ بھی نہیں ہلتا، جو جانتا ہے کہ خدا نے ہر شخص کے لیے رزق لکھ چھوڑا ہے جو نہ کوئی بڑھا سکتا ہے نہ گھٹا سکتا ہے اور جو انسان کی بے بسی سے واقف ہے؛ وہ کبھی کسی کے سامنے ناجائز ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ پس تم لوگوں کو دینی علوم سے دور رکھو تاکہ وہ ان حقائق سے واقف نہ ہو سکیں اور دنیا کے لالچ میں اہل دنیا کے آگے اپنے آپ کو ذلیل کرتے پھریں۔

2۔ ایمان کی کمزوری

دوست! انسان کا جب ایمان کمزور پڑ جاتا ہے تو وہ بے صبری کا شکار ہو جاتا ہے اور حلال راستوں پر قائم رہنا اس کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔ وہ نفس کی پیروی میں حرام وادیوں کا رخ کرتا ہے اور آسانیاں تلاشتا ہے۔ ان آسانیوں میں سے ایک آسانی سفارش بھی ہے جسے ایسے لوگ اکثر استعمال میں لاتے ہیں۔ پس لوگوں کا ایمان جس قدر کمزور پڑتا جائے گا اسی قدر وہ سفارش اور دیگر حرام راستوں کے مسافر بنتے جائیں گے۔ سو تم ان کے ایمان کو ضرب لگاؤ۔

3۔ دنیا کی ہوس

دوست! دنیا کی ہوس انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ پھر وہ اسے کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتا ہے اور اس کے حصول کے لیے تمام تر ممکنہ ذرائع استعمال کرتا ہے۔

دوست! لوگوں کو جب تم اس حالت پر لے آؤ گے تو یقیناً وہ حلال و حرام کی تمیز ترک کر دیں گے۔ حلال راہوں پر چونکہ محنت و مشقت کی تکلیف ہے، اس لیے وہ حرام راستوں کا رخ کریں گے۔ ان حرام رستوں میں سب سے دلکش، اگر میسر آ جائے تو سفارش ہے کیونکہ یہ بلا کسی محنت کے بہت کچھ دلوا سکتی ہے۔ اس لیے تمھارا کام فقط لوگوں میں ہوسِ دنیا کی آگ کو بھڑکانا ہے، سفارش کے راستے پر وہ خود آ جائیں گے۔

4۔ جانبدار نظام

دوست! جب کسی بھی ملک و ملت کے حکمران، غیر جانبدار نظام کی یقین دہانی نہیں کرتے اس میں سفارش اور اس طرح کی دیگر بیماریاں از خود جنم لیتی ہیں۔ کسی قسم کی گرفت کا جب اندیشہ نہیں ہوتا تو اہل منصب ہر موقع پر احبا اور عزیز و اقربا کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے میں ہر کسی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ متعلقہ ادارے میں کوئی عزیز مل جائے جس سے سفارش کروا کے وہ اپنا کام نکلوا سکے۔

5۔ تن آسانی

دوست! تن آسانی انسان کو محنت و مشقت سے باز رکھتی ہے اور وہ ہر معاملے میں آسان راہ تلاشتا ہے۔ تم لوگوں کو جدید دور کی آسائشوں میں مبتلا کر کے تن آسانی کا عادی کر دو۔ حلال راہیں مشکل پا کر نفس انھیں حرمت والی راہوں کے لیے ابھارے گا اور وہ سفارش اور دیگر

حرام طریقوں کو اپنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مثلاً ایک طالب علم کو سالانہ امتحان میں کامیابی کے لیے سارا سال محنت کرنی پڑتی ہے۔ جو طالبعلم کامیاب تو ہونا چاہتا ہے مگر تن آسانی اسے محنت سے باز رکھتی ہے تو وہ نفس کے ہاتھوں مجبور ہو جائے گا کہ کوئی سفارش ڈھونڈے جو امتحان میں اسے رعایت کرے یا پیپر مارکنگ میں درگزر کا معاملے فرمائے اور پاس کر دے۔

دوست! سفارش کو عام کرنے کے طریقے اور اس کی تباہ کاریاں تجھ سے بیان کر دیں ہیں۔ اب تجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس علم پر عمل کر کے لوگوں کو سفارش کی گندگی کی طرف دھکیلو تاکہ وہ ملک وملت کے لیے ذلت وپستی کا باعث بن جائیں۔

مجلس سے واپسی

اے دوست! شیطان اور اولیاء الشیطان کے مابین جو گفتگو ہوئی وہ میں نے تیرے لیے لکھ چھوڑی ہے اور تو اسے پڑھ کر حیران ضرور ہوا ہو گا۔ لیکن تیرے لیے سب سے ضروری بات وہ ہے جو شروع میں "کتاب کا مقصد" کے موضوع کے تحت میں نے بیان کی ہے۔ تیرے لیے بہتر یہ ہو گا کہ اس باب کو دوبارہ پڑھ لے تاکہ مقصد تازہ ہو جائے اور حصول پورا ہو جائے۔ کیونکہ جب تک تو شیطان اور اس کی چالوں کو تسلیم نہیں کرے گا، ان سے بچ نہ سکے گا۔ اور جو شیطانی چالوں سے نہ بچ سکا، اس کا جنت میں جانا اور دوزخ سے بچنا بہت محال ہے۔

اور یہی تو اصل مقصدِ حیات ہے۔ اسی میں ناکام ہو گیا تو پھر تیری باقی کامیابیاں کس کام کی۔ اٹھ، چھوڑ خواہشات کو اور خدا کے حکموں کی پیروی کے لیے کمر کس لے۔ دنیا کی رنگینیوں سے نکل۔ یہ شیطانی جال ہیں جن میں وہ تجھے پھانس کر جہنم کی طرف لے جا رہا ہے۔ آنکھوں کو کھول اور دیکھ تو نے اپنے دل کا کیا حال کیا ہے۔ تو نے اس میں ایسی پلیدی جمع کی ہے کہ فرشتے تجھ سے دور بھاگتے ہیں اور شیطان یہاں رات گزارتے ہیں اور صبح کرتے ہیں۔ تیری زندگی عین شیطان کی شریعت کے مطابق ہو چکی ہے۔ تو اس کے بہت قریبی لوگوں میں سے ہو چکا ہے اور سخت ترین عذاب تیرا منتظر ہے۔ مجھے تیرا غم کھا رہا ہے کہ اگر وہ عذاب تجھ پر مسلط کر دیا گیا جسے تو دعوت دے رہا ہے تو تیرا کیا بنے گا۔ تو ہمیشہ کے لیے اس عذاب کو کیسے برداشت کرے گا۔ تو اس وقت کس کو پکارے گا اور کون تیری پکار پر لبیک کہے گا۔ اگر

مجھے تیری اس قدر فکر ہے تو تُو اپنی فکر کیوں نہیں کرتا اور اپنے آپ کو اس آگ سے کیوں نہیں بچاتا جس کی شدت سے دونوں جہان پناہ مانگتے ہیں۔

جہاں تک میری واپسی کا معاملہ ہے تو میرے منیجر نے عین وعدے کے مطابق اپنی جان پر کھیل کر مجھے اس مجلس سے نکالا اور میں اب ایک خفیہ جگہ پر موجود ہوں اور طاغوتی افواج کے سپاہی میرے تعاقب میں ہیں۔ مجھے جلد پکڑ لیا جائے گا اور قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن مجھے اس کا خوف نہیں کیونکہ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے اور میں نے حقیقت تیرے لیے تحریر کر چھوڑی ہے تاکہ تو بیدار ہو جائے اور دوسروں کو بھی بیدار کرے۔ میرے سامنے دو عذاب تھے؛ ایک دنیا کا جو حق کی حمایت سے ملتا ہے اور دوسرا آخرت کا جو حق کو چھوڑنے سے ملتا ہے۔ البتہ مجھ میں دونوں عذاب سہنے کی سکت نہیں لیکن میں نے دنیا کے عذاب کو منتخب کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یہاں خدا کی حمایت بھی حاصل ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو دنیا کے عذاب کو بے اثر بنا دے جیسے ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو خدا نے اس حکم دے دیا " اے آگ !تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے سلامتی بن جا! "۔ پس وہ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ جہاں تک آخرت کے عذاب کی بات ہے تو وہ دنیا کے عذاب کے مقابلے میں بہت شدید ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ خدا ہی کی طرف سے ہو گا جسے کوئی پھیر نہ سکے گا اور پھر بچنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

سو تجھے بھی میری یہی نصیحت ہے کہ ان دونوں عذابوں میں سے دنیا کی عذاب کو قبول کر لے اور باطل کے خلاف اٹھ کھڑے ہو۔